بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدلله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدناسيدالمرسلين وعلىٰ آلهٖ وصحبهٖ اجمعين وعلى من تبعهم باحسان الٰى يوم الدين ،امابعد:

اس جدیددور میں محققین دنیا نئی نئی تحقیقات اور ریسرچ میں مصروف ہیں ایسے محققین نے جس طرح دنیاوی چیزوں میں جدید تحقیق شروع کی دینی احکام اور معلومات کو بھی اپنی تحقیق کے لئے تختہ مشق بنایا، تحقیق اور ریسرچ سے کوئی منع نہیں کرتا یہ بری چیز نہیں اچھی چیز ہے مگر اس تحقیق میں اتنا آگے چلا جانا کہ اسلاف صالحین اور محدثین، متکلمین اور مفسرین وغیرہم رحمہم اللہ کی کی ہوئی تحقیقات میں غلطی نکالنا اوران کے بیان کردہ نظریات پر نکتہ چینی اسلاف بیزاری کی خطرناک سڑک ہے،اس سڑک پر سب سے پہلے منافقین اور عبداللہ بن سبا کا گروہ چلا اورانہی نے اس سڑک کوشاہراہ بنایا، پھران کے پیچھے خارجی ،معتزلہ،قدریہ، جبریہ وغیرہ گروہ چلے ،اہل سنت نہ اس راہ پر چلے، نہ اس راہ پر چلنے والوں کی تائید کی ، بلکہ چلنے والے لوگوں کواس راہ سے ہٹانے کی خوب کوشش کی ، چلنے والوں کے شبہات

دور کرنے کی محنت کر کے سیدھے راہ پر چلنے کی ترغیب دی، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کی ہدایات یہی تھیں،

فانہ من یعش منکم بعدی فسیریٰ اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کلَّ محدثة بدعةٍ وکلَّ بدعةٍ ضلالة

بیشک تم میں سے جو میرے بعد زندگی گذارے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا تو تم پر لازم ہے میرے راستہ پر اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے راستہ پر چلنا اس کو مضبوطی سے پکڑو اور اس کو دانتوں سے خوب پکڑ لو، اور نئی باتوں سے بچو کیوں کہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے،

اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم،

میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی مثل ہیں ان میں سے جس کے پیچھے چلو گے صحیح راہ پر چلتے رہو گے ،

اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر

میرے بعد جو دو حضرات ہوں گے یعنی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما ان کے پیچھے چلتے رہنا،

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا

من استنَّ منکم فلیستنِّ بمن قدماتَ فانَّ الحیَّ لاتؤمن علیه الفتنة اولائک اصحاب محمد ﷺ

تم میں سے جو شخص کسی راہ پر چلنا چاہے تو وہ فوت شدہ اکابرین کے راستے پر چلے کیوں کہ زندہ شخص سے متعلق فتنہ سے امن نہیں، وہ (جن کے راستہ پر چلنے کا کہہ رہا ہوں) نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام ہیں رضی اللہ عنہم،

اسلاف کو برا کہنے اور تنقید کرنے سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا

لاتسُبُّوا اصحابی فواللہ لو انَّ احدکم ان انفق مثل اُحدٍ ذھباً مابلغ مُدّ احدھم ولانصیفهٗ

میرے صحابہ کی برائی نہ کرنا، اللہ کی قسم اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ جتنا سونا خرچ کردے وہ ان حضرات کے ایک مد یا آدھا مد خرچ کرنے کے ثواب کو نہیں پہنچ سکے گا،

اذا رئیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنة اللہ علیٰ شرکم ،

جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کی برائی کریں کہو اللہ کی لعنت ہو تمہارے شر پر،

ان احادیث میں بالخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق ہدایات ہیں مگر یہ مطلب نہیں کہ ہمارے اسلاف جن پر تنقید درست نہیں وہ صرف صحابہ کرام ہیں بلکہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین وغیرہم ہم سے پہلے گذرنے والے اہل حق ہمارے اسلاف ہیں،

اذافعلت امتی خمسة عشرة خصلةً حل بهاالبلاء اذاكان المغنم دُولاً والامانة مغنماًوالزكوة مغرماًواطاع الرجل زوجتهٗ وعق امهٗ وبر صديقهٗ وجفااباهٗ وارتفعت الاصوات فی المساجدوكان زعيم القوم ارذلهم واُكرِم الرجل مخافةَ شرهٖ وشربت الخموروليس الحرير واتخذت القينات والمعازف ولَعَنَ آخِرهٰذه الامة اولُهافليرتقبوا عندذالك ريحاًحمراءَ اوخسفاًاومسخاً(الجامع الصغير ۷۷۴ت عن علی ،ض)

جب میری امت پندرہ کام کرے گی ان پر مصائب اتریں گے، جب مشترک مال (چندلوگوں میں) گھومنے لگے گا اور امانت غنیمت سمجھ لی جائے گی اور زکوۃ تاوان سمجھی جائے گی اور آدمی اپنی بیوی کا کہا مانکر ماں کوستائے گا، دوست سے حسن سلوک اور باپ سے بدسلوکی کرے گا، اور مسجدوں میں آوازیں بلند ہوں گی ،اور قوم کا سردار گھٹیا ترین آدمی ہوگا، اور آدمی کی عزت اس کے شر کے ڈر سے کی جائے گی اور شرابیں پی جائیں گی ،اور ریشم پہنا جائے گا اور گانے والی عورتیں اور گانے باجے کے آلات رکھے جائیں گے اور اس امت کے بعدوالے پہلے والوں پر لعنتیں کریں گے تب سرخ آندھیوں یا زمین میں دھنسنے یا شکلیں بدلنے کی انتظار کریں،

اس حدیث میں اسلاف میں پہلے سب اہل حق اکابرین کا ذکر آیا اور ان پر لعنتوں اور تنقید پر مختلف قسم کے عذاب آنے کی وعید ذکر ہوئی ہے، اس لئے اخلاف کے لئے اسلاف پر تنقید اور ان کو برا کہنا جائز نہیں ہے، ائمہ مجتہدین سے اختلاف کرنا گو جائز ہو مگر اس کے لئے ان کا ہم پلہ ہونا تو انصاف کی بات ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اختلاف کرنا تو کسی صورت بھی جائز نہیں ہے جیسے غیر مقلدوں نے یہ رسم نکالی ہے کہ صحابہ کرام کے اجماعی مسائل وعقائد تک سے متعلق یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ ان کی بات بھی قرآن وسنت کے خلاف ہوسکتی ہے، **لاحول ولاقوۃ الاباللہ**، یہ درست ہے کہ صحابہ کرام فرداً فرداً معصوم نہیں ہیں اور ان کو فرداً فرداً معصوم سمجھنا اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف ہے کہ اہل سنت کے نزدیک معصوم صرف انبیاء کرام علیہم السلام ہیں، مگر بطور جماعت صحابہ کرام معصوم ہیں یعنی جس عقیدے اور مسئلہ میں ان کا عملی یا قولی یا تقریری اجماع ہو اس کے خلاف کرنا اور اس کو قرآن وسنت کے خلاف

کہنا ہرگز جائز نہیں ہے، بات ذرا لمبی ہوگئی مگر مفید ہے، بالخصوص جس غرض کے لئے قلم اٹھایا وہ یہ ہے کہ ایسے نئے محققین میں سے ایک شخصیت پروفیسر قاضی محمد طاہر الہاشمی صاحب کی بھی ہے، ان کی کئی کتابیں ایک ساتھی کے ذریعہ مطالعہ کوملیں، ان کی تحریر سے ان کا جو جذبہ معلوم ہوتا ہے یعنی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی بھی شخصیت کے خلاف لکھی جانے والی تحریر کے خلاف قلم اٹھا کر صحابہ کے خلاف اٹھنے والے اعتراض کا خاتمہ کردینا، یہ بہت اچھا جذبہ ہے، اس کی قدر کی جانی چاہیئے، مگر اس جذبہ کے نتیجہ میں ان کے قلم میں جو سختی آئی ہے اس کی اصلاح ضروری معلوم ہوتی ہے، ٹھیک ہے کہ قاضی صاحب بڑے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں مگر اس کا معنیٰ یہ تو نہیں کہ وہ اس گھمنڈ میں آجائیں کہ سارا علم اور بزرگی تو ہمارے گھر ہے اور جو بھی ہماری رائے کے خلاف رائے رکھے اس کے خلاف قلم اٹھا کر اس کی رائے پر یوں تنقید شروع کردینا کہ اس تنقید کو دیکھ کر شیعہ کو موقع ملے کہ جی اگر ہم صحابہ کرام کے گستاخ ہیں تو تمہارے مولوی عالم بھی گستاخ ہیں، اہل بدعت اور غیر مقلد بھی وہ کتاب لے کر علماء دیوبند کے خلاف طوفان بدتمیزی کھڑا کردیں کہ تمہارے قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ فلاں دیوبندی عالم نے فلاں صحابی کی گستاخی کی ہے، **استغفر اللہ** ، یہ طرز خطرناک ہے، قاضی صاحب کا قلم اسی طرز پر چلتا نظر آتا ہے، اپنی کتابوں میں مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ اور مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اور مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم وغیرہم کے خلاف انتہائی سخت قلم چلایا اور سخت بدگمانیاں کی ہیں جیسے کسی شیعہ اور بدعتی کے خلاف لکھ رہے ہوں، کوئی غلطی نظر آئے اس کی صحیح توجیہ کریں، مگر ان حضرات کو گستاخان صحابہ کی فہرست میں تو درج نہ کریں، تاکہ کہیں کوئی ایجنسی علماء دیوبند کے خلاف طعن و تشنیع میں اور ان پر سے اعتماد اٹھوانے کے لئے بطور آلہ کار استعمال نہ کرے، قاضی صاحب نے بدگمانی کا جو سبق دیا اس سے ہمیں یہی وہم ہونے لگا ہے کہ اس آڑ میں کوئی ان کو استعمال تو نہیں کررہا؟ اللہ کرے ایسا نہ ہو،

قاضی صاحب کئی باتوں میں ان اکابرین کی غلطی ہونے پر مصر ہیں، ان حضرات کی تحقیق پر اعتماد نہیں کرتے، بیشک یہ بات کہنے میں ہم بھی قاضی صاحب کے ساتھ ہیں کہ اِن موجودہ اکابرین اہل علم کو ہر تحریر و تقریر کے لئے پوری ذمہ داری کے ساتھ بات کی تحقیق کرکے لکھنا اور بولنا چاہیئے کیوں کہ عوام کالانعام ان حضرات کی بات پورے اعتماد سے لیتے ہیں اس لئے کچھ کہنے لکھنے سے پہلے خوب تحقیق کریں،

ہاں مگر کئی باتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جن پر قاضی صاحب کا اصرار غلط معلوم ہوتا ہے، مثلاً حدیث کلاب حوأب کے

بارے میں قاضی صاحب نے ایک نہیں دو کتابیں لکھ ماریں نامعلوم ان کے پاس وقت اور پیسہ فالتو ہے؟ اگر ہاں تو ان کو چاہیئے کہ اہل باطل کی کتابوں کے جواب میں کتابیں تحریر کریں، اور غرباء مساکین، طلباء کی پیسہ کے ذریعے خوب مدد کریں، اور اجر وثواب کمائیں، اور اگر کسی اہل حق کی غلطی کی نشان دہی کریں تو اول ان کو صرف خط لکھیں اور مختصر مگر جامع مانع لکھیں کہ علماء کے اوقات اتنے فارغ نہیں، اور احقاق حق کر کے خاموش ہو جائیں، یا براہ راست مل لیں، راقم چھوٹا مدرس ہے میرا وقت بھی اتنا فارغ نہیں ہے مگر اس خیال سے قلم اٹھالیا کہ شاید قاضی صاحب تک اپنی معلومات پہنچانے سے اصلاح ہو جائے،

قاضی صاحب روایت پر تبصرے کرتے وقت اتنا احادیث کے پیچھے نہیں چلتے جتنا درایت کے پیچھے چلتے ہیں، اس لئے کسی روایت کو رد کرنے کے لئے جتنا تبصرہ عقل ودرایت کی صورت میں کرتے ہیں اتنا سند واسلاف کی تحقیق کی صورت میں نہیں کرتے، ہماری عقل اور درایت ہے ہی کتنی کہ روایت کی صحت وضعف کے لئے اپنی عقل ودرایت معیار بنائیں، اس سے عقل کا ہیضہ نہ پیدا ہو جائے جیسے معتزلہ کو یہ بیماری لگی تھی کہ احکام شریعت میں عقل کو فیصل تک مان لیا تھا اس لئے جو عقل نہ مانتی اس کا انکار کر دیتے، اس میں شک نہیں کہ عقل ودرایت سے کام لینے اور اس سے روایت کی حقیقت جاننے کا ایک درجہ ہے مگر فقط درایت سے روایت کی جانچ درست نہیں ہے، بہر حال اسلاف کی تحقیقات کو سامنے رکھنا اور روایات کے بارے ان کے نظریئے اور فیصلے کو دیکھنا بھی شدید نہیں اشد ضروری ہے، منکرین حدیث احادیث طیبہ کو عقل سے پرکھتے ہیں، قرآن پر پرکھنا تو محض نام کا ہے،

علامہ حبیب الرحمٰن کاندھلوی کے نظریات:

ضمناً عرض کردوں کہ قاضی صاحب ایک معتزلی ومنکرین حدیث کے مزاج کے شخص حبیب الرحمٰن لدھیانوی پر بھی اعتماد رکھتے ہیں اس لئے ان کو علامہ کہہ کر ذکر کرتے ہیں (عقیدہ امامت اور خلافت راشدہ) یہ کاندھلوی صاحب تو ایصال ثواب وغیرہ جیسے اہل سنت کے عقائد کے بھی منکر ہیں، اس کے خلاف انہوں نے ایک کتاب عقیدہ ایصال ثواب قرآن کریم کی روشنی میں لکھی، جس کو کیپٹن مسعود عثمانی کی جماعت نے ہاتھوں ہاتھ لیا، کاندھلوی صاحب اس کتاب میں لکھتے ہیں

احادیث جتنی ہیں وہ سب ظنی ہیں (عقیدہ ایصال ثواب ص۱۰، ۱۱) اصولی معاملات اور عقائد کے سلسلہ میں ہدایت کے لئے قرآن کافی ہے، اس کے لئے روایات کے سہاروں کی ضرورت نہیں ہے (ایضاً)

ان کی کتاب مذہبی داستانیں اتنی معتبر کتاب نہیں جتنا قاضی صاحب سمجھے ہوئے ہیں، کاندھلوی صاحب اپنے کو فاضل دارالعلوم دیوبند کہتے تھے مگر مولانا ثناءاللہ امرتسری بھی تو فاضل دیوبند تھے تو کیا وہ معیار ہیں؟

حدیث کلاب حوأب کی تحقیق:

بہرحال قاضی محمد طاہر علی صاحب ہاشمی نے کئی احادیث کو تحقیق کا نشانہ بنایا ان میں سے ایک حدیث کلاب حوأب ہے، میری عقل ناقص ہے اس لئے اس بارے میں جتنی عقلی ودرایتی باتیں قاضی صاحب نے کی ہیں ان پر زیادہ تبصرہ نہیں کروں گا جتنا مناسب ہوگا اتنا ذکر کروں گا،

قاضی صاحب کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے

(۱) جن کتابوں میں یہ حدیث ہے اکثر کا مأخذ مسند احمد ہی ہے، مسند احمد اتنی معتبر کتاب نہیں ہے، (۲) یہ حدیث خبرواحد غریب ہے (۳) اس کے راوی قیس بن ابی حازم میں اوصاف مردودیت موجود ہیں، ضعیف، منکرالحدیث، ساقط الحدیث ہے، اور جس راوی میں اوصاف مردودیت ہوں اس کی حدیث متروک العمل ہوگی (۴) محدثین نے حدیث حوأب کی صحت میں بھی کلام کیا ہے، (۵) حدیث کا دوسرا مأخذ مستدرک حاکم ہے، اس کے راوی بھی قیس ہیں اور حاکم شیعہ ہے (۶) طبری میں یہ روایت بصورت افسانہ صفوان بن قبیصہ احمسی نے عرنی سے بیان کی ہے وغیرہ، اس کے راوی اسماعیل بن موسیٰ، عابس الازرق، ابوخطاب ہجری، صفوان بن قبیصہ احمسی، عرنی ضعیف، مجہول، وغیرہ ہیں (۷) بالفرض روایت صحیح ہو تو اس کا مصداق ام زمل بنت ام قرفہ سلمی ہے،

اب اس بارے میں اصل حقائق ملاحظہ ہوں

حدیث کے مأخذ اور راوی:

قاضی صاحب نے تین مأخذ بیان کئے ہیں، مسند احمد، مستدرک حاکم، اور تاریخ طبری، یہ قاضی صاحب کے مطالعہ کی کمی کو واضح ظاہر کررہا ہے، حدیث کلاب حوأب کے مأخذ صرف یہ تین کتابیں نہیں ہیں، طبری بھی اصل مأخذ ہرگز نہیں ہوسکتی کیوں کہ تاریخ طبری اصل میں حدیث کی کتاب نہیں ہے، حدیث کا مأخذ حدیث کی کتابیں ہوتی ہیں، اس حدیث کا مأخذ کیا ہے؟

(۱) مسند اسحاق بن راہویہ (۲) مصنف ابن ابی شیبہ (۳) الفتن نعیم بن حماد (۴) مسند احمد (۵) مسند ابویعلی (۶) صحیح ابن حبان (۷) معجم اوسط طبرانی (۸) مستدرک حاکم (۹) الاحادیث

المختارۃ ضیاء مقدسی (۱۰) مسند بزار (۱۱) بیہقی دلائل النبوۃ (۱۲) غریب الحدیث ابراہیم بن اسحاق الحربی (۱۳) شرح مشکل الاثار امام طحاوی وغیرہ،

اب ان مأخذوں کا بھی کچھ تعارف کرانا پڑے گا کیوں کہ لگتا ہے جیسے قاضی صاحب پر منکرین حدیث کا کچھ اثر ہو رہا ہو،

امام ابن ابی شیبۃ:

نام عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن ابی شیبہ العبسی کوفی رحمہ اللہ ہے، امام سفیان بن عیینہ، اعمش، وکیع، ابراہیم بن اسماعیل ابن علیہ وغیرہم رحمہم اللہ کے شاگرد ہیں اور امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابوزرعہ، ابوبکر بن ابی عاصم، بغوی، وغیرہم رحمہم اللہ کے استاذ ہیں، سنہ ۲۳۵ھ کو فوت ہوئے، امام ابن ابی شیبہ کوفی ہیں مگر قاضی صاحب کو اگر کوفی محدثین سے الرجی ہے تو قاضی صاحب اس الرجی پر صبر کریں اور کوفیوں سے بیزار نہ ہوں ورنہ فقہ حنفی اور امام عاصم کی قرأت والے قرأنوں سے بھی بیزار ہو جائیں، یہ خوامخواہ کی غلط فہمی ہے کہ غیر مقلدوں کی طرح کوفی راویوں سے کنارہ کریں، بڑے بڑے اصحاب علم صحابہ رضی اللہ عنہم کوفہ میں آ گئے تھے اور ان کے شاگرد کوفی تھے، تو ہر کوفی قابل رد نہیں ہے، ان کی مصنف ابن ابی شیبہ متعدد مطابع سے شائع ہوئی ہے، پاکستان میں طیب اکیڈمی ملتان نے اور مکتبہ امدادیہ نے شائع کی راقم کے پاس طیب اکیڈمی کی مصنف نو جلدوں میں ہے، ریاض سعودیہ سے مکتبۃ الرشد نے سات جلدوں میں شائع کی ہے،

امام ابراہیم بن اسحاق الحربی:

امام ابواسحاق ابراہیم بن اسحاق بغدادی بہت بڑے محدث ہیں سنہ ۱۹۸ھ کو پیدائش ہوئی سنہ ۲۸۵ھ کو وفات پائی، امام احمد، ابونعیم، مسدد، علی بن الجعد، ابن ابی شیبہ وغیرہم جیسے محدثین کے شاگرد ہیں اور بڑے بڑے محدثین ابن صاعد، ابوبکر قطیعی، ابوبکر شافعی وغیرہم رحمہم اللہ کے استاذ ہیں، امام ذہبی ان کو **الامام، الحافظ شیخ الاسلام** کہتے ہیں، ان کی کتاب غریب الحدیث ہے، جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ سے سنہ ۱۴۰۵ھ کو تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے، کتاب کے نام میں لفظ غریب سے دھوکہ نہ لگے کہ انہوں نے اس میں غریب حدیثیں لکھی ہیں یعنی جن کی صرف ایک سند ہوتی ہے، بلکہ اپنی سند سے احادیث تحریر کرتے ہوئے مشکل الفاظ کے معانی بتاتے ہیں، اس لئے اس کو غریب الحدیث کا نام دیا یعنی حدیث کے مشکل الفاظ (کا حل)

امام اسحاق بن راہویہ:

'یہ اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن ابراہیم حنظلی مروزی خراسانی رحمہ اللہ ہیں، سنہ ۲۳۸ھ میں فوت ہوئے ، امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی وغیرہم رحمہم اللہ کے استاذ ہیں، سفیان بن عیینہ، عبدالرزاق بن ہمام، فضل بن دکین ، وکیع بن جراح، عبداللہ بن مبارک ، وغیرہم کے شاگرد ہیں، تہذیب التہذیب میں ان کے متعلق دوصفحہ کا ترجمہ ہے ، کسی محدث نے ان پر کلام نہیں کیا، امام اسحاق نے مسند تحریر فرمائی ہے جس کا کچھ حصہ پایا گیا، مدینہ منورہ مکتبۃ الایمان سے سنہ ۱۴۱۲ھ کو پانچ جلد اور دارالکتاب العربی سے سنہ ۲۰۰۲ء، ۱۴۲۳ھ کو ایک جلد شائع ہوئی،

امام نعیم بن حماد بن معاویہ بن الحارث مروزی:

امام نعیم بن حماد خزاعی مروزی مصری سنہ ۲۲۸ھ کو فوت ہوئے ، امام عبداللہ بن مبارک اور ہشیم ، سفیان بن عیینہ وغیرہ کے شاگردوں میں سے ہیں ، ان کے شاگردوں میں سے امام بخاری ہیں ، امام ذہبی نے الامام الشہیر سے ذکر کیا ہے، کئی محدثین نے ان کی ثقاہت کو بیان کیا، بعض نے جرح بھی کی ہے، مگر بالکل گئے گذرے محدث نہیں ہیں ، اپنے دور کے فتنوں نے بھی ان کو مجروح کیا ہے، ان کی کتاب الفتن مکتبۃ التوحید قاہرہ سے دوجلد میں سنہ ۱۴۱۲ھ کو شائع ہوئی،

امام ضیاء الدین المقدسی:

یہ ابوعبداللہ محمد بن عبدالواحد بن احمد بن عبدالرحمٰن السعدی المقدسی دمشقی صالحی حنبلی ہیں، سنہ ۵۶۹ھ کو پیدا ہوئے ، سنہ ۶۴۳ھ کو فوت ہوئے ، امام ذہبی ان کو **الفقیہ الحافظ** لکھتے ہیں، سب محدثین نے ان کی بہت تعریف کی ہے ، اگر چہ یہ زمانہ کے اعتبار سے مؤخر ہیں مگر ان کا مقام اتنا ہے کہ محدثین نے ان کی تحقیق پر اعتماد کیا ہے، انہوں نے احادیث صحیحہ پر کتاب **الاحادیث المختارۃ** یا **المستخرج من الاحادیث المختارۃ مما لم یخرجہ البخاری ومسلم فی صحیحھما** لکھی یہ تیرہ جلدوں میں دار خضر بیروت لبنان سے طبع ہوئی ہے، بخاری مسلم کی احادیث کی طرح کی صحیح احادیث اپنی سند سے درج کی ہیں،

امام ابن حبان بستی:

یہ امام ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد ------ تمیمی بستی ہیں سنہ ۳۵۴ھ کو فوت ہوئے ، امام نسائی، ابویعلی موصلی

،ابن خزیمہ وغیرہم رحمہم اللہ کے شاگرد اور امام حاکم اور ابوعبداللہ بن مندہ کئی محدثین کے استاذ ہیں، ان کے استاذ امام ابن خزیمہ نے اپنے علم کے مطابق احادیث صحیحہ کا ایک ذخیرہ اکٹھا کرنے کے لئے کتاب لکھی جو **الصحیح لابن خزیمۃ** سے مشہور ہے، شاگرد نے بھی استاذ کی اتباع میں صحیح احادیث کے جمع کرنے کے لئے کتاب لکھی جو صحیح ابن حبان سے مشہور ہے، اس کتاب کا نام **التقاسیم والانواع** بھی ذکر ہوتا ہے اور **المسند الصحیح** بھی ذکر کیا جاتا ہے، امام علاء الدین علی بن بلبان مصری حنفی (م ۷۳۹ھ) نے کتاب کو ابواب کی ترتیب پر تحریر کیا ہے جس کا نام **الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان** ہے، یہ استاذ اور شاگرد اپنی ان کتابوں میں جو احادیث ذکر کرتے ہیں وہ ان کے نزدیک صحیح ہیں،

امام احمد بن عمرو بزار:

یہ امام ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار ہیں سنہ ۲۱۵ھ کو پیدا ہوئے سنہ ۲۹۲ھ کو فوت ہوئے، امام ہدبہ بن خالد، عبدالاعلی بن حماد، حسن بن علی بن راشد وغیرہم کے شاگرد اور امام ابوالشیخ، ابوبکر ختلی، عبدالباقی بن قانع وغیرہم جیسے محدثین کے استاذ ہیں، انہوں نے اپنی احادیث کا مجموعہ لکھا، جس کا نام **البحر الزخار** ہے، **مسند البزار** کے نام سے مشہور ہے،

امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی:

یہ امام احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال شیبانی مروزی بغدادی رحمہ اللہ ہیں، سنہ ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے، چار بڑے ائمہ فقہاء میں سے ایک ہیں، امام سفیان بن عیینہ، ہشیم وغیرہما بڑے محدثین ان کے استاذ ہیں ،اور بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابوزرعہ، بغوی، وغیرہ ان کے شاگردوں میں سے ہیں، ان کے متعلق زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں، ان کی بہت سے کتابوں میں سے اس حدیث کا مأخذ مسند ہے، مسند امام احمد کا بہت سا حصہ امام احمد بن حنبل کا اپنا ہی ہے، مسند احمد کی ترتیب کے دوران وفات ہوئی تو ان کے بیٹے امام عبداللہ بن احمد اور ابوبکر قطیعی نے مسند میں کچھ اضافے کئے، محققین کا کہنا ہے کہ اس میں درج امام احمد کی مرویات میں ضعف نہیں ہے، ان کے بیٹے اور شاگرد نے جو حصہ درج کیا اس میں ضعیف روایات شامل ہوگئیں، مگر وہ امام احمد کی مرویات نہیں ہیں بلکہ بیٹے اور شاگرد نے اپنے مشائخ سے منقول روایات درج کیں، علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب **القول المسدد فی الذب عن مسند الامام احمد** میں ان روایات پر بحث فرمائی ہے، مگر حدیث کلاب حوأب کو ان میں درج نہیں

فرمایا،

امام حاکم نیشاپوری:

یہ امام محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ الضبی نیشاپوری ہیں، نیشاپور میں سنہ ۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے، سنہ ۴۰۵ھ میں فوت ہوئے، امام ابوبکر نجاد، وغیرہ اساتذہ میں ہیں، امام دارقطنی، ابوبکر بیہقی، ابن حزم، محمد بن عبداللہ اصبہانی، ابوبکر قفال، ابوالقاسم قشیری وغیرہ ان کے شاگردوں میں ہیں، انہوں نے کتاب لکھی **المستدرک علی الصحیحین** جس میں امام بخاری ومسلم کی شرائط کے مطابق صحیح احادیث کا انتخاب کرکے ان کا مجموعہ امت کو دینا تھا، امام حاکم اور ان کی اس کتاب سے متعلق کچھ تفصیل کی ضرورت ہے جو آگے ذکر ہوگی انشاءاللہ،

امام احمد بن الحسین بیہقی:

یہ امام ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ بیہقی خراسانی ہے سنہ ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے، سنہ ۴۵۸ھ کو فوت ہوئے، امام ابوبکر بن فورک، امام حاکم، ابوعبدالرحمٰن سلمی، وغیرہم رحمہم اللہ کے شاگرد ہیں، امام بیہقی رحمہ اللہ نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے ایک ہمارا ماٰخذ دلائل النبوۃ ہے، دارالکتب العلمیہ بیروت سے سات جلدوں میں طبع ہوئی، مگر چوں کہ امام بیہقی امام حاکم کے شاگرد ہیں اس لئے امام بیہقی کا ماٰخذ امام حاکم ہیں، مگر یہ نہیں کہ امام بیہقی نے مستدرک سے حدیث نقل کی ہے بلکہ خود امام حاکم سے سن کر بیان فرمائی ہے،

امام ابویعلیٰ موصلی:

یہ امام ابویعلیٰ احمد بن علی بن المثنیٰ موصلی ہیں، سنہ ۲۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۳۰۷ھ میں فوت ہوئے، امام ابوخیثمہ زہیر بن حرب، ابن ابی شیبہ، یحیی بن معین، خلیفہ بن خیاط، احمد بن منیع رحمہم اللہ آپ کے اساتذہ میں سے ہیں، امام نسائی، ابن حبان، طبرانی، وغیرہم رحمہم اللہ جیسے محدثین آپ کے شاگردوں میں سے ہیں، محدثین میں سے یہ عظیم محدث حنفی ہے، ان کی حدیث نبوی میں بہت سی کتابیں ہیں، ان میں سے ہمارا ماٰخذ مسند ہے، اس کو مسند صغیر کہتے ہیں مگر دنیا میں اس کی چھ جلدیں فی الحال شائع ہوئیں، جو ناقص ہے، دارالکتب العلمیہ بیروت کی مطبوعہ ہمارے سامنے ہے،

امام سلیمان بن احمد طبرانی:

یہ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب اللخمی طبرانی ہیں، سنہ ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۳۶۰ھ میں وفات پائی، امام نسائی اور طحاوی وغیرہم جیسے سینکڑوں محدثین کے شاگرد ہیں، اور امام ابوالشیخ، ابوبکر بن مردویہ، ابونعیم اصبہانی ، وغیرہم رحمہم اللہ آپ کے شاگردوں میں سے ہیں، امام طبرانی کی بہت سی اور بڑی بڑی کتابیں ہیں، معجم صغیر، معجم اوسط، معجم کبیر مشہور ہیں، ہمارا مأخذ معجم اوسط ہے، جو دارالحرمین قاہرہ سے دس جلدوں میں طبع ہوئی،

امام طحاوی حنفی:

یہ امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ حنفی ہیں، امام ذہبی نے ان کو **امام العلامة الحافظ صاحب التصانیف البدیعة** سے ذکر کیا ہے، ڈیڑھ صفحہ میں ان کے حالات ذکر کرتے ہوئے محدثین سے ان کی تعریف ذکر فرمائی ہے، (تذکرۃ الحفاظ) ان کی کتاب شرح مشکل الآثار ہے، جو مؤسسۃ الرسالۃ بیروت سے ۱۶ جلدوں میں طبع ہوئی ہے، یہ تو حدیث کلاب حوأب کے مأخذ ہیں،

حدیث کلاب حوأب کی تحقیق میں قاضی صاحب کے اکابر:

قاضی صاحب نے حدیث کلاب حوأب پر عدم اعتماد کے لئے جن کا سہارا لیا، ان میں ایک حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی ہے کہ وہ کہتے ہیں

یہ روایت سراسر غلط اور موضوع ہے (حدیث کلاب حوأب کا مصداق کون؟ ص ۳۳ بحوالہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ شخصیت اور کردار ص ۲۹۰)

دوسرا بزرگ مولانا سعید الرحمٰن علوی صاحب ہے کہ وہ اس روایت کے بارے میں کہتے ہیں

اس واقعہ کی بنیاد ایک وضعی جعلی اور من گھڑت حدیث ہے، ایسے ہی جیسے ہمارے ذخیرہ حدیث میں بہت سی غلط روایات عجمی سازش کے سبب داخل ہوگئیں (مصداق کون؟ ۵۷، بحوالہ خلفائے راشدین حسن کردار و عمل ص ۴۶۹ برحاشیہ)

علوی صاحب شاید منکرین حدیث سے متأثر ہیں کہ ان کی بولی بولتے ہیں کہ ذخیرہ حدیث پر عجمی سازش اثر کرگئی کہ کئی غلط روایات ذخیرہ حدیث میں داخل ہوگئیں، ہمارے اسلاف نے حدیث کی تحقیقات میں اتنی محنت کی ہے کہ کوئی بندہ اب صحیح ثابت احادیث نبویہ پر انگلی نہیں اٹھا سکتا، گویا روٹی پکا کر ہمیں کھانے کو پیش کردی ہے کہ لو کھاؤ،

علوی صاحب ہوں یا سیالکوٹی ان لوگوں کی حیثیت بھی قاضی صاحب جیسے محقق جیسی ہے، کیا یہ لوگ آئندہ

ذکر ہونے والے بڑے بڑے محققین کے مقابلے میں کوئی حیثیت رکھتے ہیں؟ کیا علم حدیث وعلم اسماء الرجال میں اِن لوگوں کی مہارت مسلّم ہے؟ ہرگز نہیں، اِن پر زیادہ تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں، اب ہم حدیث کی اصل حقیقت واضح کرنے کے لئے بحث کرتے ہیں،

حدیث کلاب حوأب کے راوی:

اب دوسری بات یہ کہ اس حدیث کے راوی کتنے ہیں؟ قاضی صاحب ایک قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ بیچارے کو رگڑے دے رہے ہیں، اکیلا یہ بیچارہ کیوں مجروح ہورہا ہے، راقم کے مطالعہ میں یہ آیا کہ حدیث کلاب حوأب کے راوی صحابہ رضی اللہ عنہم میں تین صحابہ ہیں (۱) خود حضرت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا (۲) حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (۳) حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے دوحضرات کے حوالے براہ راست اصل کتابوں سے راقم کے سامنے ہیں، تیسرے صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت بالواسطہ معلوم ہوئی ہے، ہاں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اصل راوی دو ہیں اور اِن دو میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والوں میں ایک حضرت انس رضی اللہ عنہ بھی ہیں،

حدیث کلاب حوأب اور اس کا متن:

حدیث کلاب حوأب کے متن دو ہیں، ایک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل ہے، دوسرا ام المؤمنین رضی اللہ عنہا یا قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ سے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

ایتکن صاحبة الجمل الادبب یُقتَلُ حولیھاقتلی کثیرة تنجوبعدماکادت (ابن ابی شیبه)

تم میں سے بکثرت بالوں والے اونٹ والی کون ہوگی جس کے آس پاس بہت سے آدمی قتل ہوں گے، پھسلنے کے قریب ہوکر (یا لڑنے کے بعد) بچ جائے گی،

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی یا قیس کی روایت ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بنو عامر کے کسی پانی کے پاس سے رات کو گذریں تو ان پر کتے بھونکنے لگے، تو پوچھا یہ کونسا پانی ہے؟ حاضرین نے بتایا کہ حوأب کا پانی ہے، تو ٹھہر گئیں اور کہنے لگی، میں خیال کرتی ہوں کہ لوٹ جاؤں، تو حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا ٹھہریں، اللہ آپ پر رحم کرے، نہیں بلکہ آگے چلیں تو آپ کو مسلمان دیکھیں گے تو اللہ تعالی ان میں صلح کی صورت پیدا کردے گا، فرمایا میں تو خیال کرتی ہوں کہ لوٹ جاؤں، بیشک میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا

قال لنساءه ذات يوم كيف باحداكن تنبح عليها كلاب الحوأب (ابن ابی شیبه)

ایک دن ہم کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیسے حال ہوگا تم بیویوں میں سے ایک کے ساتھ کہ اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے،

اب اس حدیث کی سندوں کی صورت حال بھی واضح ہو،

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی سند:

اول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی سند کیا ہے؟ تو سنیئے:

(۱) امام بزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں

ثنا محمد بن عثمان بن كرامة ثنا عبيد الله بن موسیٰ عن عصام بن قدامة البجلی عن عكرمة عن ابن عباس رضی الله عنهما قال رسول الله ﷺ،

(۲) امام ضیاء الدین المقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

اخبرنا ابو اسماعيل داؤد بن محمد بن محمود بن ماشاذه وغيره ان زاهر بن طاهر الشحامی اخبرهم انبأ احمد بن منصور المغربی ثنا محمد بن الفضل بن محمد بن اسحاق بن خزيمة انبأ جدی محمد بن اسحاق بن خزيمة ثنا نصر بن علی انبأ عبد الله بن داؤد عن عصام بن قدامة عن عكرمة عن ابن عباس رضی الله عنهما،

(۳) امام ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں

حدثنا وكيع عن عصام بن قدامة عن عكرمة عن ابن عباس رضی الله عنهما قال رسول الله ﷺ

(۴) امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

حدثنا فهد بن سليمان حدثنا ابو نعيم حدثنا عصام بن قدامة عن عكرمة عن ابن عباس رضی الله عنهما ان رسول الله ﷺ قال لنسائه

اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے والے ان کے شاگرد صرف حضرت عکرمہ رحمہ اللہ ہیں، ان سے روایت کرنے والے صرف عصامہ بن قدامہ بجلی ہیں، مگر عصامہ سے روایت کرنے والے

چار ہیں عبداللہ بن داؤد اور عبیداللہ بن موسیٰ اور امام وکیع اور ابونعیم رحمہم اللہ، اس کے بعد عبیداللہ سے راوی محمد بن عثمان بن کرامہ اور عبداللہ سے راوی امام ابن خزیمہ ہیں، پھر محمد بن عثمان بن کرامہ سے روایت کرنے والے امام بزار ہیں ،اور امام وکیع سے روایت کرنے والے امام ابن ابی شیبہ ہیں ،ابونعیم سے روایت کرنے والے فھد بن سلیمان اور فھد سے راوی امام طحاوی ہیں، یہاں سے آگے کی سند پر زیادہ غور کی ضرورت نہیں ،اور صرف یہ دیکھیں کہ قاضی صاحب کے بیان کردہ مجروح راویوں میں سے کوئی راوی موجود نہیں ہے، یہ آگے ذکر کریں گے کہ جو راوی موجود ہیں ان میں کوئی مجروح تو نہیں ہے؟ یا کیا سب ثقہ ہیں؟

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی سند:

دوم: اب حضرت ام المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی سند پر غور کریں:

(۱) امام نعیم بن حماد فرماتے ہیں

حدثنا یزیدبن ھارون عن ابن ابی خالدعن قیس بن ابی حازم عن عائشة رضی الله عنھاعن النبی ﷺانه قال لازواجہٖ ...الخ

(۲)امام ابراہیم بن اسحاق حربی فرماتے ہیں

حدثنا ابن نمیر حدثنا عبدة عن اسماعیل عن قیس عن عائشة ان النبی ﷺقال لازواجہٖ ....

امام ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں

حدثنا ابو اسامة قال حدثنا اسماعیل عن قیس قال وفیه قالت مااظننی الاراجعةً انی سمعت رسولَ الله ﷺقال لناذات یوم الحدیث ،

(۳)امام ابن حبان فرماتے ہیں

اخبرنا عمران بن موسیٰ بن مجاشع قال حدثنا عثمان بن ابی شیبة قال حدثنا وکیع وعلی بن مسھر عن اسماعیل عن قیس ...وفیه قالت مااظننی الاراجعة انی سمعتُ رسولَ الله ﷺیقول ...الحدیث

(۴)امام ابویعلیٰ فرماتے ہیں

حدثنا عبدالرحمن بن صالح حدثنا محمدبن فضیل عن اسماعیل بن ابی خالد عن قیس بن

ابی حازم قال مرت عائشة ...وفیه قالت ردونی سمعت رسولَ الله ﷺیقول الحدیث ،

(۵)امام احمد بن حنبل خود فرماتے ہیں

حدثنایحیی عن اسماعیل حدثناقیس قال ...وفیه قالت ان رسول الله ﷺقال لهاذات یوم ....الحدیث ،

حدثنامحمدبن جعفر حدثناشعبة عن اسماعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم ان عائشة .....قالت ماظننی الاراجعة ان رسولَ الله ﷺقال لنا.....الحدیث

(٦)امام حاکم نیشاپوری فرماتے ہیں

حدثناابوعبدالله محمدبن یعقوب الحافظ ثنامحمدبن عبدالوهاب العبدی ثنایعلی بن عبیدثنااسماعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم قال لمابلغت عائشة ....قالت ماظننی الاراجعة سمت رسولَ الله ﷺیقول ....الحدیث ،

(۷)امام سلیمان بن احمد طبرانی فرماتے ہیں

حدثنامحمدبن علی نایزیدبن موهب ثنایحیی بن زکریابن ابی زائدة عن مجالدعن الشعبی عن مسروق عن عائشة قالت ....وفی ذالک الیوم قال لناکیف .....الحدیث

(۸)امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں

اخبرناجریرعن اسماعیل بن ابی خالدعن قیس بن ابی حازم قال اقبلت عائشة ...وفیه فقالت ماظننی الاراجعة فانی سمعتُ رسولَ الله ﷺیقول ...الحدیث ،

(۹)امام احمد بن الحسین بیہقی فرماتے ہیں

اخبرناابوعبدالله الحافظ قال سمعتُ اباعبدالله الزبیربن عبدالواحدیقول سمعتُ عبدان الاهوازی یقول حدثناعمروبن العباس حدثنا محمدبن جعفرحدثناشعبة عن اسماعیل بن ابی خالدعن قیس ان عائشة لمااتت علی الحوأب....وفیه فقالت ماظننی الاراجعةً انی سمعتُ رسولَ الله ﷺقال لنا.....الحدیث ،

اخبرناابوعبدالله الحافظ حدثناابوعبدالله محمدبن یعقوب الشیبانی حدثنامحمدبن

عبدالوهاب العبدی حدثنایعلی بن عبیدحدثنا اسماعیل بن ابی خالدعن قیس بن ابی حازم قال ....قالت ماظننی الاراجعة سمعتُ رسول الله ﷺیقول ..الحدیث ،

(۱۰)امام محمد بن یوسف صالحی دمشقی (م۹۴۲ھ)اپنی کتاب **سبل الهدیٰ والرشادفی سیرة خیر العباد** میں (ج۱۰ص۱۶۵طبع بیروت)ذکرفرماتے ہیں

وروی ابویعلٰی وابن حبان عن قیس بن ابی حازم عن انس رضی الله عنه قال بلغت عائشة بعض میاه بنی عامر...قالت ماظننی الا راجعة سمعت رسول الله ﷺقال لناذات یومٍ ..الحدیث

ان سب سندوں پرغورفرمائیں کہ یہ روایت حضرت قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ براہ راست رسول اللہ ﷺ سے نقل نہیں کرتے ،کیوں کہ قیس خودصحابی نہیں ہیں اگرچہ ان کے والدحضرت ابوحازم رضی اللہ عنہ صحابی ہیں ،رسول اللہ ﷺ سے براہ راست روایت کرنے والی ام المؤمنین سیدتنا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں ،حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والے بیچارے قیس اکیلے نہیں ہیں بلکہ دویا(امام صالحی کے حوالے کے مطابق)تین راوی ہیں ایک حضرت انس ،دوسرے قیس بن ابی حازم ،تیسرے مسروق ،پھران سے روایت کرنے والاایک ایک راوی ہے ،مسروق سے امام شعبی اورانس وقیس سے اسماعیل بن ابی خالد،اورامام شعبی سے روایت کرنے والاتوایک مجالد ہے اوران سے بھی ایک یحیی بن زکریابن ابی زائدہ ،اوران سے یزید بن موہب اوران سے شیخ طبرانی محمد بن علی اوران سے امام طبرانی روایت کرتے ہیں ،مگراسماعیل بن ابی خالد سے روایت کرنے والے یزید بن ہارون ،ابواسامہ ،عبدہ ،امام وکیع ،علی بن مسہر ،محمد بن فضیل ،یحیی بن سعید ،شعبہ ،جریر ،یعلی بن عبیدوغیرہم روایت کرنے والے ہیں ،اوران حضرات سے آگے روایت کرنے والے امام نعیم بن حماد ،ابن ابی شیبہ ،امام احمد ،عثمان بن ابی شیبہ ،ابن نمیر ،عبدالرحمٰن بن صالح ،محمد بن جعفر ،محمد بن عبدالوہاب العبدی ،امام اسحاق بن راہویہ ،وغیرہم ہیں ،اس سے آگے سند پرغورکرنے کی ضرورت نہیں ہے ،

اب دونوں روایتوں کے مجموعہ کودیکھیں تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ دوصحابی راوی ہیں ،اوران دو سے آگے حضرت ابن عباس سے روایت کرنے والا ایک عکرمہ اورام المؤمنین سے روایت کرنے والے تین انس ،قیس ،مسروق ہیں ،کل چارہوئے ،اس طرح حدیث کلاب حوأب اپنے دوسرے دورمیں (تابعین کے دورمیں)خبرواحد سے نکل

کرخبر مشہور میں داخل ہوگئی، تیسرے دور میں تین راوی ہوئے ایک روایت ابن عباس کا اور دوام المؤمنین کی روایت کے، اور چوتھے دور کے راویوں کی تعداد دیکھیں تو مشہور سے اوپر متواتر کے درجہ میں جا پہنچتی ہے، گو متواتر کی اصطلاحی تعریف صادق نہ ہونے کی وجہ سے متواتر نہیں ہے، اس لئے اس حدیث کی صحت کا انکار کرنا مناسب نہیں، امام ابن عربی اور حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنی تحقیق کے مطابق اس کو ضعیف یا موضوع قرار دیا ہے تو وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ دینے کے مکلّف ہیں، اور ہم لوگ اپنے علم کے مطابق فیصلہ دینے کے مکلّف ہیں، ہمارے علم کے مطابق اس حدیث کی صحت میں کوئی شک نہیں ہے، ہمارا یہ فیصلہ **ان یتبعون الا الظن و ان هم الا یخرصون** کا مصداق ہرگز نہیں ہے، بلکہ اسلاف کی تائیدات وتصدیقات ہمارے فیصلے پر موجود ہیں،

محققین کے فیصلے:

لیجیئے ڈھیر سارے محققین کے فیصلے یہ ہیں،

(۱) امام ابن کثیر شافعی رحمہ اللہ ام المؤمنین (یا کہیں قیس بن ابی حازم) کی حدیث سے متعلق فرماتے ہیں

وهٰذا اسنادعلی شرط الشیخین ولم یخرجوه ، یہ حدیث امام بخاری ومسلم کی شرط پر ہے لیکن اِن ائمہ نے اس کو بیان نہیں کیا (البدایۃ ۲۳۶/۶ طبع دار احیاء التراث العربی بیروت، معجزات النبی ﷺ ۲۹۰/۱)

(۲) علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

واخرج هٰذا احمدوابویعلی والبزاروصححه ابن حبان والحاكم وسندهٗ علی شرط الصحیح

(فتح الباری ۴۳۸/۱۴ طبع دارالفکر كتاب الفتن)

اس حدیث کو امام احمد وابو یعلی وبزار نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور اس کی سند صحیح بخاری کی شرط پر ہے،

(۳و۴) امام حاکم اور ذہبی رحمہما اللہ نے اس حدیث پر سکوت کیا اور جس حدیث پر امام حاکم کے ساتھ ذہبی بھی سکوت کریں تو وہ حدیث حسن ہوتی ہے، علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

فمااقره علیه فهوصحیح وماسکت عنه ولم یتعقه بشيءٍ فهو کماقال ابن الصلاح حسن

(قواعدفی علوم الحدیث)

جس روایت پر امام حاکم کے حکم کو امام ذہبی برقرار رکھے وہ حدیث صحیح ہوتی ہے اور جس پر ذہبی سکوت کریں

تو جیسا کہ امام ابن صلاح نے فرمایا وہ حدیث حسن ہوتی ہے،

لیکن امام ذہبی نے اپنی کتاب سیر اعلام النبلاء میں فرمایا ہے

ھٰذاحدیث صحیح الاسنادولم یخرجوہ (سیر اعلام النبلاء ۲/۵۳/۴، طبع دارالحدیث قاہرہ)

یہ حدیث صحیح سندوالی ہیں لیکن (بخاری، مسلم) نے اس کو بیان نہیں کیا،

(۵)امام ضیاء الدین المقدسی رحمہ اللہ نے اس کوالاحادیث المختارۃ میں روایت کیا ہے اور اپنی کتاب کے شروع میں فرمایا کہ ہم نے وہ احادیث ذکر کیں جن کی سندیں عمدہ ہیں ،اگرکسی حدیث میں کوئی علت تھی تووہ بیان کی(**الاحادیث المختارہ ۱/۶۹**)

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

وجمیع مافی ھٰذہ الکتب الخمسة صحیح فالعزو الیھامعلم بالصحة سوی مافی المستدرک من المتعقب (دیباجة جمع الجوامع ، کنزالعمال ۱/۱۸)

بخاری ،مسلم،صحیح ابن حبان،مستدرک حاکم،المختارہ ضیاء مقدسی میں جوروایات ہیں سب صحیح ہیں توان کی طرف نسبت صحیح ہونے کی علامت ہے سوائے مستدرک کی ان روایتوں کے جن پر گرفت کی گئی ہے،

علامہ محمد بن جعفر الکتانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

التزم فیه الصحة وذکر فیه احادیث لم یسبق الی تصحیحهاوقدسلم له فیه الاحادیث یسیرة جداًتعقبت علیه (الرسالة المستطرفة ۲۷)

امام ضیاء نے اس کتاب میں صحت (صحیح احادیث ذکر کرنے) کاالتزام کیا ہے،اوراس میں ایسی حدیثیں بھی ذکر کیں جن کوان سے پہلے کسی نے صحیح نہیں کہااوراس میں ان کو(غلطی سے)سلامتی رہی سوائے بہت تھوڑی حدیثوں کے جن کے متعلق ان پرگرفت کی گئی ہے،

حدیث کلاب حوأب سے متعلق ان پر گرفت نہیں ہوئی ،بہرحال یہ حدیث امام ضیاء المقدسی کے نزدیک صحیح ہے،

(۶)امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کواپنی کتاب **الانواع والتقاسیم یاالمسندالصحیح** میں روایت کیا ہے،اوراس میں وہی روایات بیان کیں جوان کے نزدیک صحیح ہیں،تو یہ حدیث عائشہؓ بھی ان کے نزدیک صحیح ہے،امام ابن حبان رحمہ اللہ نے کتاب کے مقدمہ میں تفصیل سے ذکر کیااس میں یہ بھی ہے کہ فرمایا

فتدبرتُ الصحاح لاسهل حفظهاعلى المتعلمين (الاحسان ۱/۷۰طبع دارالمعرفه بيروت)

میں نے صحیح احادیث کو جمع کرنے پر غور کیا تا کہ طلباء پر ان کو یاد کرنا آسان کردوں،

اوپر امام سیوطی کا حوالہ ذکر ہوا کہ صحیح ابن حبان کی احادیث صحیح ہیں،

صحیح ابن حبان کی تبویب الاحسان پر تحقیق کرنے والے علامہ شیخ خلیل بن مامون شیحا امام ابن رشید الفہری کے حوالے سے لکھتے ہیں

فماحكم بصحته ممالم يحكم به غيره ان لم يكن من قبيل الصحيح يكن من قبيل الحسن وكلاهمايحتج به ويعمل عليه الاان يظهرفيه مايوجب ضعفهٔ (مقدمه المحقق ،الاحسان ۱/ ۲۹)

جس حدیث کو امام ابن حبان نے صحیح کہا جس پر کسی اور نے صحیح ہونے کا حکم نہ لگایا ہو ایسی حدیث اگر صحیح کے قبیل سے نہ ہو تو حسن کے قبیل سے (ضرور) ہوگی اور حسن و صحیح دونوں سے حجت لی جاتی ہے،اور عمل کیا جاتا ہے سوائے اس کے کہ اس میں ضعیف ہونے کا کوئی سبب ظاہر ہو جائے،

اور حدیث کلاب حوأب بروایت قیس عن ام المؤمنین کو دوسرے محدثین بھی صحیح کہہ رہے ہیں، بہر حال امام ابن حبان نے تخریج کرکے صحیح قرار دیا ہے،

(۷) امام علی بن ابی بکر ہیثمی رحمہ اللہ حدیث قیس سے متعلق فرماتے ہیں

رواه احمدوابويعلى والبزاورجال احمدرجال الصحيح (مجمع الزوائد۷/۴۷۴،رقم ۱۲۰۲۵)

اس حدیث کو امام احمد وابویعلی وبزار نے روایت کیا اور امام احمد کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں،

(۸) امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

۷۴۸قوله ونبح كلاب الحوأب على بعض ازواجه (الشفاء ۱/ ۶۵۹)احمدوالبزاروالبيهقى عن عائشة بسندصحيح (مناهل الصفافى تخريج احاديث الشفاء ۱/ ۱۵۲)

اس حدیث کو امام احمد و بزار و بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے،

(۸) علامہ حمود بن عبداللہ بن حمود بن عبدالرحمٰن تویجری رحمہ اللہ (م ۱۴۱۳ھ) روایت قیس سے متعلق فرماتے ہیں

رواه الامام احمدوابويعلى والبزاروابن حبان فى صحيحه والحاكم فى مستدركه قال

الحافظ ابن حجر وسندهٔ علی شرط الصحیح وقال الهیثمی رجال احمد رجال الصحیح (اتحاف الجماعة بماجاء فی الفتن والملاحم واشراط الساعة ۱/۱۷۵)

خلاصہ یہ ہے کہ علامہ ابن حجر نے اس کی سند کو **علی شرط الصحیح** اور ہیثمی نے اس کے راوی بخاری کے راوی بتائے

یعنی علامہ حمود کے نزدیک بھی حدیث قیس صحیح ہے،

(۹) شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ حدیث قیس سے حجت پکڑتے ہوئے فرماتے ہیں

وفی صحیح ابن حبان عن اسماعیل بن ابی خالدعن قیس بن ابی حازم (الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح ۶/۱۳۲ طبع سعودیۃ **)**

صحیح ابن حبان میں اسماعیل بن ابی خالد سے قیس کی روایت ہے،

معلوم ہوا کہ ان کی نزدیک حدیث قیس صحیح حدیث ہے،

(۱۰) نزدیک دور کے اہل حدیث محقق علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ حدیث قیس سے متعلق فرماتے ہیں

اخرجهٔ احمد(۶/۵۲)عن یحیی وهوابن سعیدو(۶/۹۷)عن شعبة وابواسحاق الحربی فی غریب الحدیث (۵/۷۸/۱)عن عبدة وابن حبان فی صحیحه (۱۸۳۱ ،موارد)عن وکیع وعلی بن مسهروابن عدی فی الکامل (ق۲۲۳/۲)عن ابن فضیل ،والحاکم ۳/۱۲۰) عن یعلی بن عبیدکلهم عن اسماعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم ان عائشة لماأتت علی الحوأب سمعت نباح الکلاب فقالت ماأظنني الاراجعةً ان رسول الله ﷺ قال لنا(فذکره)فقال لهاالزبیرترجعین عسی الله عزوجل ان یصلح بک الناس هٰذالفظ شعبة ومثلهٔ لفظ یعلی بن عبیدولفظ یحیی قال لماقبلت عائشة بلغت میاه بنی عامرلیلاًنبحت الکلابُ ،قالت ایُّ ماء هٰذا؟قالواماء الحوأب ، قالت ماأظنني الاراجعة فقال بعض من کان معهابل تقدمین فیراک المسلمون فیصلح الله ذات بینهم ،قالت ان رسول الله ﷺ قال لناذات یوم کیف باحداکن تنبح ....قلت واسنادهٔ صحیح جداًرجاله ثقات اثبات من رجال الستة الشیخین والاربعة رواه السبعة من الثقات عن اسماعیل بن ابی خالدوهوثقة ثبت کمافی التقریب وقیس بن ابی حازم

مثلہٗ الاانہ قدذکربعضھم فیہ کلاماًیفیدظاھرہ انہ مجروح فقال الذھبی فی المیزان ثقۃ حجۃ کادان یکون صحابیاًوثقہ ابن معین والناس وقال علی ابن عبداللہ عن یحیی بن سعید منکرالحدیث ثم سمی لہ احادیث استنکرھافلم یصنع شیئاًبل ھی ثابتۃ لاینکرلہ التفردفی سعۃ ماروای ،من ذالک حدیث کلاب الحوأب ....قلت اجمعواعلی الاحتجاج بہٖ ومن تکلم فیہ فقدآذی نفسہٗ .....قلت وقدتأول الحافظ فی التھذیب قول یحیی بن سعیدوھوالقطان منکرالحدیث بان مرادہ الفردالمطلق ،قلت فان صح ھٰذاالتأویل فیہ والافھومردودلانہ جرح غیرمفسر لاسیماوھو معارض لاطباق الجمیع علی توثیقہٖ والاحتجاج بہٖ وفی مقدمتھم صاحبہ اسماعیل بن ابی خالدفقدوصفہ بانہ ثبت کماتقدم ولایضرہٗ وصفہ ایاہ بانہ خرف لان الظاھرانہ لم یحدث فی ھذہ الحالۃ ولذالک احتجوابہ مطلقاً،ولئن کان حدث فیھافاسماعیل اعرف الناس بہٖ فلایروی عنہ والحالۃ ھٰذہ وعلی ھٰذافالحدیث من اصح الاحادیث ولذالک تتابع الائمۃ علی تصحیحہ قدیماًوحدیثاً، الاول ابن حبان فقداخرجہ فی صحیحہ کماسبق ، الثانی الحاکم باخراجہ ایاہ فی المستدرک کماتقدم ولم یقع فی المطبوع منہ التصریح بالتصحیح منہ ولامن الذھبی فاالظاھرانہ سقط من الطابع او الناسخ فقدنقل الحافظ فی الفتح (۱۳/۴۵)عن الحاکم انہ صححہ وھواللائق بہ لوضوح صحتہٖ ،الثالث الذھبی فقدقال فی ترجمۃ السیدۃ عائشۃ من کتابہ العظیم سیرالنبلاء (ص ۶۰ بتعلیق الاستاذالافغانی) ھذاحدیث صحیح الاسنادولم یخرجوہٗ ،الرابع الحافظ ابن کثیرفقال فی البدایۃ بعدان عزاہ کالذھبی لاحمدفی المسندوھذااسنادعلی شرط الشیخین ولم یخرجوہ ،الخامس الحافظ ابن حجرفقدقال فی الفتح بعدان عزاہ لاحمدوابی یعلی والبزاروصححہ ابن حبان والحاکم وسندہ علی شرط الصحیح فھؤلاء خمسۃ من کبارائمۃ الحدیث صرحوابصحۃ ھٰذاالحدیث وذالک ما یدل علیہ النقدالعلمی الحدیثی کماسبق تحقیقہ ولااعلم احداًخالفھم ممن یعتدبعلمھم ومعرفتھم فی ھٰذاالمیدان سوی یحیی بن سعیدالقطان فی کلمتہ المتقدمۃ وقدعرفت جواب الحافظین الذھبی والعسقلانی علیہ فلانعیدہ الاٰن العلامۃ القاضی ابابکربن العربی رحمہ اللہ

تعالی جاء فی کتابه العواصم من القواصم کلام قدیدل ظاهره انه یذهب الی انکارهٰذاالحدیث ویبالغ فی ذالک اشدالمبالغة فقال ....قلت ونحن وان کانوا افقه علی انکارثبوت تلک الشهادة فانهاماصان الله تبارک وتعالیٰ اصحابهٗ ﷺ منهالاسیمامن کان منهم من العشرة المشبرین بالجنة کطلحة والزبیرفانانکرعلیه قوله ولاقال النبی ﷺ ذالک الحدیث ؟کیف وهوقدثبت عنه ﷺ بالسندالصحیح فی عدة مصادرمن کتب السنة المعروفة عنداهل العلم ولعل عذره فی ذالک انه حین قال ذالک لم یکن مستحضراًللحدیث انه واردفی شیء من المصادربل لعلهٗ لم یکن اطلع علیهااصلاً فقدثبت عن غیرواحدمن العلماء المغاربة انه لم یکن عندهم علم ببعض الاصول الهامة من تالیف المشارقة ،فهذاابن حزم مثلاًلایعرف الترمذی وابن ماجة ولا کتابیهماوقدتبین لی ان الحافظ عبدالحق الاشبیلی مثله فی ذالک فانه لاعلم عنده ایضاًبسنن ابن ماجة ولابمسندالامام احمد.... فلیس من البعیدان ابابکربن العربی فی ذالک وان کان رحل الی الشرق والله اعلم ولکن اذاکان ماذکرته من العذرمحتملاًبالنسبة الی ابی بکربن العربی فماهوعذرالکاتب الاسلامی الکبیرالاستاذمحب الدین الخطیب الذی علق علی کلمة ابن العربی فی العاصمة ... .(قال)وکانه عفی الله عناوعنه لم یتعب نفسه فی البحث عن الحدیث فی دواوین السنة المعتبرة بل وفی بعض کتب التاریخ المعتمدة مثل البدایة لابن کثیرلوانه فعل هذاعلی الاقل لعرف موضع الحدیث فی تلک الدواوین المعتبرة اوبعضهاعلی الاقل...... .(سلسلة الاحادیث الصحیحة ۱/۸۴۶تا۸۵۲ طبع مکتبۃ المعارف الریاض)

اس عبارت میں علامہ البانی نے اتنی تفصیل سے گفتگو کی ہے کہ مجتہد زماں قاضی طاہر علی صاحب کے کافی وساوس کا جواب ہوگیا،مگر ہم یہاں اختصار سے مطلب ترجمہ کر دیتے ہیں تفصیل آگے ہوگی انشاءاللہ،فرمایا

حدیث قیس بن ابی حازم کی سند بہت ہی صحیح ہے راوی ثقہ اور مضبوط ہیں،صحاح ستہ کے راوی ہیں،سات راویوں نے اسماعیل سے روایت کی اور اسماعیل ثقہ،مضبوط ہے،اور قیس بھی اسی جیسا ہے ہاں بعض نے اس میں اس کو مجروح ظاہر کرنے والا کلام ذکر کیا ہے،میزان الاعتدال میں ذہبی نے فرمایا قیس ثقہ،حجت ہے صحابی بن جانے کے قریب تھا ابن معین اور دوسرے محدثین نے اس کو ثقہ کہا ہے،البتہ یحیی بن سعید نے منکر الحدیث کہہ کر اس کی کئی روایتیں

ذکر کیں جن کو منکر بتایا لیکن انہوں نے یہ بیکار کام کیا وہ منکر نہیں بلکہ ثابت روایات ہیں روایات کی وسعت ہونے کی وجہ سے اس کا تفرد قابل نکیر نہیں ہوسکتا، اور قیس مضبوط تھا بڑی عمر کا ہو کر سو سال کو پہنچا اور سٹھیا ہوگیا، میں کہتا ہوں اس سے حجت لینے پر اجماع ہے اس پر کلام کرنے والے نے اپنی تکلیف کا سامان کیا، حافظ ابن حجر نے تہذیب میں یحیی کا قول ذکر کر کے اس کی یہ تاویل کی کہ منکرالحدیث سے مراد مطلق اکیلا ہونا ہے، تو اگر یہ تاویل صحیح ہو تو ٹھیک ورنہ (منکرالحدیث ہونے کی) جرح مردود ہے کیوں کہ غیر مفسر ہے، بالخصوص جب کے سب محدثین کا اس کے ثقہ ہونے اور اس سے حجت لینے پر اجماع اس کے مقابلہ میں موجود ہے، اور اسماعیل بن ابی خالد کو مضبوط بیان کیا گیا تو یہ حال کہ قیس سٹھیا ہوگیا کچھ مضر نہیں کیوں کہ ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے اس حالت میں حدیث بیان ہی نہیں کی، اسی لئے محدثین نے اس سے ہمیشہ حجت لی ہے، اور اگر ایسا حال ہو بھی گیا تو اسماعیل لوگوں کو خوب جانتا ہے وہ ایسی حالت میں ہرگز اس سے روایت بیان نہیں کرسکتا، لہٰذا حدیث اصح احادیث میں سے ہے،

اس لئے تو نئے پرانے سب ائمہ نے مسلسل اس کو صحیح کہا

(۱) امام ابن حبان نے (۲) حاکم نے، اگرچہ مستدرک میں تصحیح صراحۃً ذکر نہیں لیکن ظاہر یہ ہے کہ طابع یا نقل کرنے والے سے تصحیح ساقط ہوگئی کیوں کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں حاکم سے تصحیح نقل کی ہے، حدیث بھی تصحیح کے قابل ہے کیوں کہ صحت واضح ہے، (۳) ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں فرمایا یہ حدیث بخاری مسلم کی شرط پر ہے لیکن انہوں نے روایت نہیں کی، (۴) ابن کثیر نے بدایہ میں بحوالہ مسند احمد ذکر کر کے کہا اس کی سند بخاری مسلم کی شرط کے مطابق ہے لیکن انہوں نے روایت نہیں کی، (۵) ابن حجر نے مسند احمد وابویعلی وبزار کا حوالہ دے کر کہا ابن حبان وحاکم نے اس کو صحیح کہا اور اس کی سند صحیح بخاری کی شرط پر ہے، ان پانچ بڑے ائمہ حدیث نے حدیث صحیح ہونا واضح بیان کیا ہے، یہ حدیث کی علمی تحقیق ہونے کو ظاہر کرتا ہے، اور ان حضرات کی اس میدان کے کسی معتبر صاحب علم ومعرفت نے مخالفت نہیں کی، صرف یحیی بن سعید ہیں ان کی بات پر علامہ ذہبی اور عسقلانی کا تبصرہ بیان ہوگیا، البتہ قاضی ابوبکر ابن عربی نے العواصم میں اس حدیث کا انکار کیا اور سخت مبالغہ کیا۔۔۔۔ میں کہتا ہوں (پچاس آدمیوں کی) گواہی کے ثبوت کے انکار میں ہم ان کے موافق ہیں کیوں کہ اللہ تعالی نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس سے بچایا ہے لیکن یہ کہ یہ نبی ﷺ کی حدیث نہیں ہم نہیں مانتے، کیسے مانیں جب کہ یہ علماء کے نزدیک حضور ﷺ سے صحیح سند سے متعدد کتب حدیث میں ثابت ہے، ممکن ہے ان کا یہ عذر ہو کہ یہ کہتے وقت ان کے سامنے کتابوں میں حدیث نہ آئی ہو، بلکہ

شاید اس پر بالکل اطلاع نہ پائی ہو، کیوں کہ بہت سے اہل علم سے ثابت ہے کہ ان کے پاس بعض اہم مصادر کتب نہ تھیں مثلاً ابن حزم ترمذی، ابن ماجہ کو اور حافظ عبدالحق اشبیلی بھی ابن ماجہ اور مسند امام احمد کو نہ جانتے تھے، تو بعید نہیں کہ ابن عربی کا بھی یہی حال ہو، میرا بیان کردہ یہ عذر تو قابل برداشت ہے، لیکن محبّ الدین خطیب کی بحث کا کیا ہوگا جنہوں نے ابن عربی کی اس کتاب پر تعلیق لکھی ہے کہ وہ فرماتے ہیں اللہ ہمیں اور ابن عربی کو معاف فرمائے انہوں نے حدیث کی معتبر کتابوں میں بلکہ بعض معتبر تاریخی کتابوں البدایہ (وغیرہ) میں جان نہیں کھپائی، اگر تھوڑی سی محنت کر لیتے تو بعض کتب حدیث میں تو حدیث معلوم کر لیتے،

اور یہی صورت حال حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کو پیش آئی ہوگی، اور **من یعلم حجة علی من لایعلم** جاننے والا حجت ہے نہ جاننے والے پر، اس لئے قاضی صاحب ان حضرات کو معذور سمجھیں، اور ان معذوروں کے پیچھے چلنے والے کے لئے چلنے میں کوئی عذر نہیں،

(۱۱) علامہ البانی رحمہ اللہ کے شاگرد خاص علامہ عصام موسیٰ ہادی صاحب نے حدیث قیس بن ابی حازم کو اپنی کتاب **صحیح اشراط الساعة** ص ۱۸ میں ذکر کیا ہے، معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک حضرت قیس کی حدیث کا مضمون صحیح ہے،

حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما سے متعلق محققین کا فیصلہ:

اب حدیث ابن عباس سے متعلق فیصلے سنیں،

(۱) علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

رواہ البزار ورجالہ ثقات رواہ ابوبکر بن ابی شیبة ورواتهٗ ثقات (فتح الباری ۱۴/۴۳۸ ،اتحاف الخیرة المهرة ۸/۲۲)

اس کو بزار نے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں، اور اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں،

(۲) علامہ سیوطی فرماتے ہیں

البزار بسند صحیح (مناهل الصفافی تخریج احادیث الشفا ۱۵۳/۱ ،رقم ۷۴۹)

اس کو بزار نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے،

(۳)امام علی بن ابی بکر ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

رواہ البزارورجالہ ثقات (مجمع الزوائدرقم)

اس کو بزار نے روایت کیا اور اسکے راوی ثقہ ہیں،

(۴)علامہ ناصر الدین البانی فرماتے ہیں

رواہ البزارورجالہ ثقات ،ان الحدیث صحیح الاسنادو لااشکال فی متنہٖ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ۱/۸۵۳)

اس کو بزار نے روایت کیا ہے اور راوی ثقہ ہیں، بلاشبہ حدیث صحیح ہے اور اس کے متن میں کوئی اشکال نہیں ہے،

(۵)علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری فرماتے ہیں

وھو حدیث صحیح رواہ البزارعن ابن عباس رضی اللہ عنھما(نسیم الریاض ۳/۱۶۶ طبع تالیفات اشرفیہ ملتان)

یہ حدیث صحیح ہے،امام بزار نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے ،

(۶)امام محمد بن احمد قرطبی (۶۷۱ھ)رحمہ اللہ فرماتے ہیں

ھٰذاحدیث ثابت صحیح رواہ الامام المجمع علی عدالتہ وقبول روایتہ الامام ابوبکرعبداللہ بن ابی شیبۃ وکذالک وکیع مجمع علی عدالتہ وحفظہ وفقھہٖ عن عصام وھوثقۃ عدل فیماذکرابوعمربن عبدالبرفی کتاب الاستیعاب لہٗ عن عکرمۃ وھوعنداکثرالعلماء ثقۃ عالم (التذکرۃ /۱۰۸۱)

یہ حدیث ثابت اور صحیح ہے اس کو امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا جن کی عدالت اور مقبول الروایت ہونے پر اجماع ہے،وہ وکیع سے روایت کرتے ہیں اور وکیع کی عدالت اور حافظ حدیث اور فقیہ ہونے پر اجماع ہے،انہوں نے عصام سے اور عصام ثقہ اور عادل ہے (استیعاب لا بن عبدالبر۴/۱۷۴۳)عصام نے عکرمہ سے اور عکرمہ اکثر علماء کے نزدیک ثقہ اور عالم ہے،

(۷)علامہ عبدالعزیز بن محمد بن عبدالمحسن السلمان رحمہ اللہ (ساکن ریاض سعودیہ،م۱۴۲۲ھ)فرماتے ہیں

رواہ البزارورجالہٗ ثقات (مواردالظمأن لدروس الزمان ۶/۴۸۰)

اس حدیث کو بزار نے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں،

(۸) علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

رواہ البزار بسند صحیح عن ابن عباس (شرح الشفاء ،علی حاشیة نسیم الریاض ۱۶۶/۳)

اس حدیث کو بزار نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے،

(۹) علامہ حمود بن عبداللہ بن حمود تو یجری (م۱۴۱۳ھ) فرماتے ہیں

رواہ البزار قال الھیثمی والحافظ ابن حجر رجالہٗ ثقات ورواہ ایضاًابن ابی شیبة بنحوہ (اتحاف الجماعة بماجاء فی الفتن والملاحم واشراط الساعة ۱۷۵/۱)

اس کو بزار نے روایت کیا، ہیثمی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے فرمایا اس کے راوی ثقہ ہیں، ابن ابی شیبہ نے بھی ایسی ہی روایت کی ہے،

یعنی علامہ حمود کے نزدیک بھی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما صحیح ہے،

(۱۰) علامہ البانی رحمہ اللہ کے شاگرد خاص علامہ عصام موسیٰ ہادی صاحب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو اپنی کتاب **صحیح اشراط الساعة** کے صفحہ ۱۸ پر ذکر فرمایا ہے، معلوم ہوا کہ (کتاب کے نام کے مطابق) یہ حدیث اور مضمون صحیح ثابت ہے،

دیکھیئے دونوں میں سے ہر حدیث کو اتنے زیادہ محدثین صحیح کہہ رہے ہیں، اس کے بعد قاضی صاحب کے حدیث کو من گھڑت قرار دینے کے فیصلے کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ یاد رکھیں سر سید اور منکرین حدیث کا یہ طرز تھا کہ اگر کسی آیت کی مشہور معتبر تفسیر پر یا کسی حدیث کے مضمون پر اہل مغرب اعتراض کر دیتے تو یہ لوگ اس مضمون کے ثبوت کا انکار کر دیتے اور قرآن مجید کی غلط تفسیر کرتے اور اس حدیث سے منکر ہو جاتے، یہ عاجزی کی دلیل ہے، قاضی صاحب شیعہ کے رد میں اس حد تک جا رہے ہیں کہ جہاں ان کا اعتراض ہوا اور جواب نہ آیا تو سرے سے حدیث کا انکار کرتے ہیں، ایسے ناسمجھ مخلصوں کی کمی نہیں ہے مگر یہ اخلاص کام کا نہیں ہے، یہ ویسا اخلاص ہے جیسے بادشاہ کے باز کا حشر بڑھیا نے یہ کیا تھا کہ اس کے پاؤں کے ناخن اور پنجے اتار دیئے، چونچ کاٹ دی، باز کام کا نہ رہا، ایسے ہی دین کی ثابت جزئیات اور باتوں کا انکار کر کر کے آدمی دین کا خاتمہ کر دے گا اور اپنے ایمان کو چھٹی دے دے گا،

اس کے بعد ضرورت تو نہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ یا ام المؤمنین رضی اللہ

عنہا کی روایتوں کی سندوں پر بحث کی جائے ،مگر شاید قاضی طاہر علی صاحب اور اس کی کتاب کے قاریوں کے ذہن میں شبہات موجود ہوں اس لئے روایتوں کی سند کے راویوں پر گفتگو کرنا مناسب ہے تا کہ پوری طرح اتمام حجت ہو جائے ، پھر کچھ خارجی شبہات کا حل ذکر ہو گا انشاء اللہ،

مسند بزار کی سند:

ثنامحمدبن عثمان بن کرامة ثناعبیدالله بن موسٰی عن عصام بن قدامة البجلی عن عکرمة عن ابن عباس رضی الله عنهماقال قال رسول الله ﷺ،

مصنف ابن ابی شیبہ کی سند:

حدثناوکیع عن عصام بن قدامة عن عکرمة عن ابن عباس رضی الله عنهماقال قال رسول الله ﷺ

الاحادیث المختارة للضیاء کی سند:

اخبرناابواسماعیل داؤدبن محمدبن محمودبن ماشاذه وغیره ان زاهربن طاهرالشحامی اخبرهم انبأاحمدبن منصورالمغربی ثنامحمد بن الفضل بن محمدبن اسحاق بن خزیمة انبأجدی محمدبن اسحاق بن خزیمة ثنانصربن علی انبأعبدالله بن داؤدعن عصام بن قدامة عن عکرمة عن ابن عباس رضی الله عنهما،

امام طحاوی کی سند:

حدثنافهدبن سلیمان حدثناابونعیم حدثناعِصام بن قُدامة عن عکرمة عن ابن عباس رضی الله عنهما(شرح مشکل الآثار ۱۴/۲۶۵)

غور فرمائیں،حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے والے ان کے شاگرد حضرت عکرمہ ہیں،

عکرمہ بربری:

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام رہے ہیں،حضرات ابن عباس،علی،حسن،ابوہریرہ،ابن عمر وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں،ان سے حضرت ابراہیم نخعی،شعبی،اسماعیل بن ابی خالد وغیرہ بکثرت راوی روایت لیتے

ہیں، یہ درست ہے کہ بعض ائمہ نے ان پر کلام کیا ہے، مگر ان کی جرح مردود ہے، اکثر ائمہ محدثین نے ان کی تعریف وتحسین کی ہے، امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

احداوعیة العلم تکلم فیه لرأیهٖ لالحفظهٖ فاتهم برأی الخوارج وقدوثقه جماعة واعتمده البخاری (میزان الاعتدال ۳/۹۳)

علم کا ایک خزانہ ہے، ان کی رائے کی وجہ سے ان پر کلام کی گئی ہے، ان کے حفظ حدیث کی وجہ سے ان پر کلام نہیں کی گئی، تو ان پر خارجیوں کی رائے رکھنے کا الزام دیا گیا، ایک جماعت نے ان کو ثقہ کہا ہے، اور امام بخاری نے ان پر اعتماد کیا ہے،

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں

ثقة ثبت عالم بالتفسیر لم یثبت تکذیبهٗ عن ابن عمرو لایثبت عنه بدعة (تقریب التهذیب ۱/۶۸۵)

عکرمہ ثقہ، مضبوط، تفسیر کا عالم ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ان کو جھوٹا کہنا ثابت نہیں ہے، اور نہ ان سے بدعت (خارجی، اباضی نجدی ہونا) ثابت ہے (یعنی جو منقول ہے صحیح ثابت نہیں ہے)

امام بخاری فرماتے ہیں

لیس احدمن اصحابناالااحتج بعکرمة (التاریخ الکبیر بخاری ۷/۴۹ طبع حیدرآباد دکن)

ہمارے اصحاب محدثین میں سے جو بھی ہے عکرمہ کی روایت سے حجت لیتا ہے،

امام احمد بن عبداللہ عجلی (م۲۶۱ھ) فرماتے ہیں

ثقة وهو بریء مما یرمیه الناس به من الحروریة وهوتابعی (تاریخ الثقات للعجلی ۱/۳۳۹ طبع سنه ۱۹۸۴ء)

ثقہ ہیں اور جو لوگوں نے حروری (خارجی) ہونے کا الزام لگایا اس سے بری ہیں، تابعی ہیں،

امام ابن عدی فرماتے ہیں عکرمہ سے جب ثقہ راوی روایت کریں تو (حدیث صحیح ہوگی) وہ خود ٹھیک حدیث روایت کرنے والا ہے، ہاں اس سے ضعیف راوی روایت کرے تو کمزوری اس ضعیف کی طرف سے ہوگی نہ کہ عکرمہ کی طرف سے، ائمہ اس سے روایت لینے سے نہیں رکے اور صحیح احادیث جمع کرنے والے ائمہ نے اس کی جو احادیث ثقہ راویوں

سے مروی ہوں صحاح میں داخل کی ہیں **(الکامل ۶/ ۴۶۹ دارالکتب العلمیہ بیروت)**

امام دارقطنی نے ایک کتاب تحریر فرمائی جس کا نام **اسماء التابعین ومن بعدھم ممن صحت روایتہ عن الثقات** ہے، یعنی اس کتاب میں تابعین اوران کے بعد کے وہ راوی ذکر ہیں جن کی روایتیں ثقہ راویوں سے مروی ہیں تو صحیح ہیں، اس کتاب میں عکرمہ مولی ابن عباس کا نام ۹۴۶ نمبر پر درج ہے، امام ذہبی تاریخ الاسلام میں فرماتے ہیں امام احمد اور بخاری اور جمہور محدثین اس کی روایت سے حجت لیتے ہیں (۱۰۶/۳) امام ذہبی نے ایک رسالہ تحریر فرمایا اس کا نام رکھا **من تکلم فیہ وھو موثق** جس راوی میں کلام کیا گیا حالاں کہ وہ ثقہ کہا گیا ہے اسمیں ۲۴۶ نمبر پر عکرمہ کا ذکر کیا ہے، امام مغلطائی رحمہ اللہ امام محمد بن نصر مروزی سے نقل فرماتے ہیں

قد اجمع عامة اھل العلم علی الاحتجاج بحدیثه و اتفق علی ذالک رؤساء اھل العلم بالحدیث من اھل عصرنا منھم احمدبن حنبل وابن راھویه وابوثورویحیی بن معین (اکمال تھذیب الکمال ۹/ ۲۵۵)

جمہور علماء کا عکرمہ کی حدیث سے حجت لینے پر اجماع ہے ،اور علم حدیث رکھنے والے بڑے علماء جیسے امام احمد، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، یحیی بن معین رحمہم اللہ کا اس پر اتفاق ہے ،

تہذیب التہذیب میں بہت تفصیل ہے، یہاں اتنی تفصیل کافی ہے،

عصام بن قدامہ:

عکرمہ سے روایت کرنے والے عصام بن قدامہ بجلی ابومحمد کوفی ہیں ،امام یحیی بن معین فرماتے ہیں صالح ہے ،ابوزرعہ وابوحاتم وابوداؤد فرماتے ہیں لابأ س بہ یعنی ثقہ ہے، امام نسائی ثقہ کہتے ہیں، امام ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر فرمایا ہے (تہذیب االتہذیب) علامہ ابن عبدالبر نے بھی استیعاب میں عصام کو ثقہ کہا ہے، عصام سے روایت کرنے والے امام وکیع ،عبیداللہ بن موسیٰ، عبداللہ بن داؤد، ابونعیم ہیں،

ابونعیم:

یہ ابونعیم فضل بن دُکین کوفی ہیں، صحاح ستہ کے راوی ہیں، علامہ ابن حجر نے تہذیب میں پانچ صفحات میں ان کا ترجمہ لکھا ہے، سب محدثین نے ان کی تعریف اور توثیق کی ہے، ابونعیم سے فہد بن سلیمان روایت کرتے ہیں،

فہد بن سلیمان:

یہ فہد بن سلیمان بن یحیی کوفی مصری ہیں، امام بدرالدین عینی فرماتے ہیں ثقہ مضبوط تھے، سنہ ۲۷۵ھ میں فوت ہوئے (مغانی الاخیار فی شرح اسماء رجال معانی الآثار) فہد سے روایت کرنے والے امام طحاوی ہیں،

امام ابوجعفر طحاوی:

یہ امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ حنفی ہیں، امام ذہبی نے ان کو **امام العلامة الحافظ صاحب التصانيف البديعة** سے ذکر کیا ہے، ڈیڑھ صفحہ میں ان کے حالات ذکر کرتے ہوئے محدثین سے ان کی تعریف ذکر فرمائی ہے، (تذکرۃ الحفاظ) یہاں تک امام طحاوی کی شرح مشکل الآثار کی سند مکمل ہوئی اور امام طحاوی کی یہ سند بالکل صحیح ہے،

امام وکیع بن جراح:

امام وکیع بن جراح بن ملیح کوفی امام، حافظ حدیث مضبوط عظیم محدث ہیں، جن کے شاگردوں میں امام احمد اور شافعی ہیں، ہشام بن عروہ، اسماعیل بن ابی خالد، اوزاعی، ابن جریج وغیرہم جیسے بڑے محدثین کے شاگرد ہیں، سنہ ۱۹۷ھ میں فوت ہے، امام وکیع سے امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں، یہاں تک ابن ابی شیبہ کے راوی مکمل ہوئے، اور سند بالکل صحیح ہے،

مسند بزار کی سند میں عصام سے روایت کرنے والے عبیداللہ بن موسیٰ ہیں

عبیداللہ بن موسیٰ:

عبیداللہ بن موسیٰ بن ابی المختار باذام عبسی، کوفی، کے متعلق امام یحیی بن معین، ابن عدی فرماتے ہیں ثقہ ہے، عثمان بن ابی شیبہ فرماتے ہیں، سچا اور ثقہ راوی ہے، ابوحاتم فرماتے ہیں سچا اور ثقہ اور حسن الحدیث ہے، عجلی فرماتے ہیں ثقہ ہے، قرآن کا عالم اور علم قرآن میں سردار ہے، ابن سعد فرماتے ہیں انشاء اللہ ثقہ اور سچا ہے، کثیر الحدیث ہے، بہتر حالت والا ہے، ساجی کہتے ہیں سچا ہے، بعض محدثین نے اس کا تشیع ذکر فرمایا ہے ابن قانع کہتے ہیں کہ کوفی ہے صالح ہے تشیع ظاہر کرتا ہے، ساجی کہتے ہیں سچا ہے تشیع میں افراط ہے، ابوداؤد کہتے ہیں جلا ہوا شیعہ تھا اور اس کی حدیث درست ہے، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا اور فرمایا تشیع کا اظہار کرتا ہے، یعقوب بن سفیان کہتے ہیں شیعہ ہے منکر الحدیث ہے، یاد رہے کہ یہ صحاح ستہ کا راوی ہے (تہذیب التہذیب ۵۹۲/۴۔۵۹۳،۵۹۴) علامہ ابن حجر فرماتے ہیں ثقہ ہے تشیع کا اظہار کرتا ہے (تقریب ۶۴۰/۱) امام ذہبی اس کو **الحافظ الثبت** (مضبوط) کہتے ہیں سنہ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوا، سنہ ۲۱۳ھ میں فوت ہوا (تذکرۃ الحفاظ ۲۵۹/۱)

مگر متقدمین میں تشیع ایسا عیب نہیں ہے جس سے ان کی حدیث پر اثر پڑے، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ابان بن تغلب کے ترجمہ میں (جو ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے) فرماتے ہیں

فالتشیع فی عرف المتقدمین ھو اعتقاد تفضیل علی علی عثمان وان علیاً کان مصیباً فی حروبہٖ وان مخالفہ مخطیء مع تقدیم الشیخین وتفضیلھما وربما اعتقد بعضھم ان علیاً افضل الخلق بعد رسول اللہ ﷺ واذا کان معتقد ذالک ورعاً دیناً صادقاً مجتھداً فلا ترد روایتہٗ بھذا لاسیما ان کان غیر داعیۃ (تھذیب التھذیب ۱/ ۱۲۹)

متقدمین کی اصطلاح میں تشیع یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ حضرت علی حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں، اور حضرت علی لڑائیوں میں درست رائے پر اور اس کے مخالف خطاء پر تھے، اور کبھی بعض یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت علی حضور ﷺ کے بعد سب سے افضل تھے، ایسا عقیدہ والا جب پرہیزگار، دیندار، سچا، مجتہد ہو اس کی روایت مردود نہ ہوگی بالخصوص جب اس نظریہ کی تبلیغ کرنے والا نہ ہو،

اور عبیداللہ بن موسیٰ بھی ایسے ہی شیعہ میں سے ہے، نہ کہ رافضی محض جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہتے ہیں، علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے قواعد فی علوم الحدیث میں بھی یہی ذکر فرمایا کہ تشیع یا تشیع میں غلو جرح نہیں ہے،

محمد بن عثمان بن کرامہ:

عبیداللہ سے روایت کرنے والا محمد بن عثمان بن کرامہ عجلی کوفی ہے، یہ امام بخاری، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہم کا استاذ ہے، اس کے ترجمہ میں تہذیب التہذیب میں محدثین کا جرح کا کوئی کلمہ نہیں ہے محدثین نے اس کو ثقہ کہا ہے تعریف کی ہے (تہذیب ۳۹۱/۶، ۳۹۲) اور محمد بن عثمان سے امام بزار روایت کر رہے ہیں، تو امام بزار کی سند کے سب راوی سچے اور ثقہ ہیں نہ ان میں کوئی ضعیف ہے نہ وضاع ہے، تو ان کی سند بھی صحیح ہے جیسا کہ محدثین کے حوالوں سے ذکر ہوا،

اب رہی امام ضیاء الدین المقدسی کی سند، تو اس میں عصام بن قدامہ سے روایت کرنے والے عبداللہ بن داؤد ہیں،

عبداللہ بن داؤد:

یہ عبداللہ بن داؤد بن عامر ہمدانی خُریبی کوفی الاصل ہیں، ثقہ اور عابد ہیں بخاری وسنن اربعہ کے راوی

ہیں (تقریب) سنہ ۲۱۳ھ میں فوت ہوئے، ہشام بن عروہ، اعمش، اوزاعی وغیرہم جیسے محدثین کے شاگرد ہیں، ان سے روایت کرنے والوں میں حسن بن صالح، سفیان بن عیینہ، مسدد، بندار، فلاس وغیرہم جیسے محدثین ہیں، امام ذہبی ان کو الحافظ، الامام، القدوۃ سے ذکر کرتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۴۷) تہذیب میں سوا صفحہ پر ان کا ترجمہ ہے، کسی نے ان پر کلام نہیں کیا (تہذیب ۳/۶۰۷، ۶۰۸) عبداللہ سے روایت کرنے والے نصر بن علی ہیں

نصر بن علی:

یہ نصر بن علی بن صہبان جہضمی بصری صغیر ہیں، صحاح ستہ کے راوی ہیں، امام نسائی اور ابن خراش اور ابو حاتم فرماتے ہیں ثقہ ہے، محمد بن علی نیشاپوری فرماتے ہیں حجت ہیں، امام احمد لا بأس بہ یعنی ثقہ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب ۷/۳۰۶، ۳۰۷) امام ذہبی **الحافظ العلامہ** کہہ کر ذکر کرتے ہیں سنہ ۲۵۰ھ میں فوت ہوئے (تذکرۃ الحفاظ ۲/۷۸، ۷۹) نصر بن علی سے روایت کرنے والے امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمہ اللہ ہیں

امام ابن خزیمہ:

یہ امام ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ نیشاپوری ہیں، سنہ ۲۲۳ھ میں پیدا ہوئے، سنہ ۳۱۱ھ میں ۸۹ سال کی عمر میں فوت ہوئے، امام اسحاق بن راہویہ، احمد بن منیع وغیرہم جیسے محدثین کے شاگرد ہیں، ان سے امام بخاری، مسلم، نے صحیحین کے علاوہ کتابوں میں روایات لی ہیں، امام ابن حبان جیسے محدث عظیم ان کے شاگرد ہیں، امام ذہبی نے چھ صفحات میں ان کا ترجمہ بیان کیا ہے اور **الحافظ الکبیر امام الائمہ، شیخ الاسلام** لکھا ہے، (تذکرۃ الحفاظ ۲/۲۰۷۔۔۔۲۱۳) محدثین کے تعریفی الفاظ لکھنے کے محتاج نہیں ہیں، امام دارقطنی فرماتے ہیں امام تھے مضبوط تھے ان کی کوئی مثال نہیں، ابن ابی حاتم سے کسی نے ان سے متعلق پوچھا تو فرمایا افسوس ہمارے بارے میں ان سے پوچھو نہ کہ ہم سے ان کے بارے میں، وہ امام تھے جن کی اقتداء کی جائے، (تذکرۃ الحفاظ ۲/۲۱۲) امام ابن خزیمہ سے روایت کرنے والے محمد بن الفضل بن محمد بن اسحاق بن خزیمہ ہیں،

محمد بن الفضل:

یہ محمد بن الفضل بن محمد بن اسحاق بن خزیمہ ہیں، امام ابن خزیمہ کے پوتے ہیں، امام ذہبی **الشیخ الجلیل المحدث** کہہ کر ذکر فرماتے ہیں، اور فرماتے ہیں انہوں نے اپنے دادا سے سماع حدیث کیا ہے، سنہ ۳۸۷ھ میں فوت ہوئے، تین سو چوراسی میں بیمار ہوئے اور عقل میں تغیر سے زوال عقل ہوگیا، امام ذہبی فرماتے ہیں میں سمجھتا ہوں

کہ جنہوں نے ان سے حدیث کا سماع کیا درستگی کی حالت میں کیا ہے ،زوال عقل کے بعد سماع ممکن ہی نہیں ہے(**سیر اعلام النبلاء** ۱۲/ ۴۳۹ دارالحدیث قاہرہ)امام محمد بن الفضل بن محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمہ اللہ سے روایت کرنے والے احمد بن منصور المغربی ہیں،

امام احمد بن منصور المغربی:

یہ احمد بن منصور المغربی ہیں،ان کا مستقل تذکرہ ہمیں نہیں مل سکا کئی حفاظ حدیث ائمہ جو مغربی کے شاگردوں میں ہیں ان کے تذکرہ کے ضمن میں تاریخ ابن عساکر، سیر اعلام النبلاء ،تذکرۃ الحفاظ میں ذکر ملتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے ائمہ محدثین میں سے ہیں،ان سے روایت کرنے والے زاہر بن طاہر الشحامی ہیں

زاہر الشحامی:

یہ ابوالقاسم زاہر بن طاہر بن محمد بن محمد بن احمد الشحامی ہیں نیشاپوری ہیں عالی سند ہونے میں اپنے وقت کے شیخ ہیں ،ابوسعد بن السمعانی فرماتے ہیں یہ شیخ بیدار بکثرت احادیث روایت کرنے والے ہیں ،سنہ ۴۴۶ھ میں پیدا ہوئے ،سنہ ۵۳۳ھ میں فوت ہوئے ،ان کا ایک عیب ذکر ہوا کہ نمازوں میں کوتاہی کرتے تھے،لیکن وہ کہتے کہ میرا عذر ہے ،تو معذور تھے اور پھر کئی نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے لیکن لگتا ہے کہ بعد میں اس کوتاہی سے توبہ کرلی ہوگی (تاریخ بغداد ۲۱/ ۸۷)امام ذہبی فرماتے ہیں روایت میں سچا راوی ہے ،نمازوں میں کوتاہی کرلیتے (اپنے کو معذور بتاتے ، مرتب)عالی سند ہیں ،محدثین نے ان سے بکثرت روایات لیں ،ابن عساکر نے ان سے بکثرت روایتیں لی ہیں (المغنی ۱/ ۲۳۶)ان سے روایت کرنے والے داؤد بن محمد بن محمود ہیں

داؤد بن محمد بن محمود:

یہ ابواسماعیل داؤد بن محمد بن محمود بن ماشاذہ ہیں،سنہ ۵۲۰ھ میں پیدا ہوئے ،سنہ ۶۰۳ھ میں فوت ہوئے ،امام ذہبی نے ان کا تذکرہ تاریخ الاسلام (۱۳/ ۴۷)میں کیا ہے ،یہ بھی بہت بڑے محدثین میں سے ہیں ،امام طبرانی کی معجم کبیر کا فاطمہ جوزدانیہ سے سماع کیا ،ان سے روایت کرنے والے ان کے شاگرد امام ضیاء الدین المقدسی ہیں ، یہاں تک الاحادیث المختارۃ للضیاء کی سند مکمل ہوئی ،یہ سند بھی اگر صحت کے اعلی درجہ پر نہ ہو تو حسن درجہ پر ضرور ہے ، بہر حال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کلاب حوأب کی سند بالکل صحیح ہے ،اس کا انکار ضد محض ہوگا جس کا علاج کسی ماہر حکیم اور ڈاکٹر کے پاس نہیں ہے،

حدیث ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند پر بحث :

اب ام المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی روایت کی سند پرغور فرمائیں ،دوبارہ مکمل سند ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ،گذشتہ صفحات میں دیکھیں کہ نبی کریم ﷺ سے روایت بیان کرنے والی ام المؤمنین رضی اللہ عنہا ہیں،اوران سے روایت کرنے والے ایک قیس بن ابی حازم ہیں،دوسرے حضرت مسروق ہیں،

مسروق کی سند:

قیس کی سند پر بحث سے پہلے مسروق کی سند پر بحث کرلیں ،حضرت سیدتنا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے والے مسروق ہیں،

مسروق:

یہ مسروق بن الاجدع بن مالک ۔۔۔۔ہمدانی کوفی ہیں،سنہ ۶۲ یا ۶۳ ھ میں فوت ہوئے ،حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ان خاص شاگردوں میں سے ہیں جوفتوی دیتے اورقرأن مجید پڑھاتے تھے،ثقہ فقیہ اورعابد ہیں ،جنگ قادسیہ میں شامل ہوئے تہذیب میں دوصفحہ میں ان کا ترجمہ ہے،کسی محدث نے ان پر کلام نہیں کیا،امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اِن کو اپنا متبنیٰ بیٹا بنایا تھا،(تذکرۃ الحفاظ،تقریب)مسروق سے روایت کرنے والے امام شعبی ہیں

شعبی :

یہ امام عامر بن شراحیل شعبی ہیں،حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں پیدا ہوئے ،سنہ ۱۰۰ھ کے بعد فوت ہوئے ،ثقہ ہیں فقیہ ہیں،امام ذہبی نے **علامة التابعين** فرمایا اورفرمایا امام حافظ فقیہ مضبوط ثبت تھے،امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بڑے اساتذہ میں سے ہیں (تذکرۃ الحفاظ،تقریب)امام شعبی سے روایت کرنے والے مجالد ہیں،

مجالد:

یہ مجالد بن سعید ہمدانی کوفی ہیں،ان پر جرح بھی ہوئی ہے،مگر امام ابن عدی فرماتے ہیں اس کی **عن الشعبی عن جابر** اور **عن غير جابر** کئی صحیح احادیث ہیں،اوردوسری (**عن غير الشعبی**) روایات محفوظ نہیں ہیں،امام یعقوب بن سفیان فرماتے ہیں کئی محدثین نے اس میں کلام کیا ہے لیکن وہ سچا راوی ہے،عجلی کہتے ہیں **جائز الحديث** (درست حدیث والا) ہے،امام بخاری کہتے ہیں سچا راوی ہے (تہذیب)امام منذری فرماتے ہیں کہ امام نسائی نے اس کو ثقہ

قرار دیا ہے، اور امام مسلم نے دوسری روایات کی تائید میں اس کی روایات لی ہیں (الترغیب ۹۱۰/۴) امام ذہبی کہتے ہیں صالح الحدیث ہے (المغنی ۲۴۷/۲) یہ حسن الحدیث راوی ہے، بخاری کے سوا صحاح خمسہ میں اس کی روایات ہیں، اور متابعت میں تو اس کی حدیث پر انگلی نہیں اٹھائی جا سکتی، مجالد سے روایت کرنے والا یحیی بن زکریا بن ابی زائدہ ہے،

یحیی بن زکریا بن ابی زائدہ:

یہ یحیی بن زکریا بن ابی زائدہ کوفی ہے، تہذیب میں ان کا ترجمہ دو صفحات پر مشتمل ہے سب محدثین ان کی توثیق اور تعریف کر رہے ہیں، ثقہ مضبوط صحاح ستہ کا راوی ہے، یحیی سے روایت کرنے والا یزید بن موہب ہے،

یزید بن موہب:

یہ دراصل یزید بن خالد بن عبداللہ بن موہب ہمدانی رملی ہے، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا، ابن قانع نے کہا صالح ہے بقی بن مخلد کہتے ہیں انتہائی ثقہ تھا (تہذیب ۶۳۶/۷، ۶۳۷) یزید سے روایت کرنے والا محمد بن علی ہے جو امام طبرانی کا استاذ ہے،

محمد بن علی:

یہ ابوعبداللہ محمد بن علی بن زید الصائغ مکی ہے، امام صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی رحمہ اللہ (م ۷۶۴ھ) محمد بن علی کے متعلق **المحدث بمکۃ** فرماتے ہیں اور یہ کہ وہ سچائی اور معرفت حدیث کے ساتھ اپنے وقت میں مکہ کے محدث تھے سنہ ۲۹۱ھ میں فوت ہوئے (الوافی بالوفیات ۸۰/۴) علامہ ابوالطیب نایف بن صلاح بن علی المنصوری لکھتے ہیں کہ الصائغ امام سعید بن منصور، یحیی بن معین وغیرہ سے حدیث بیان کرتے ہیں، اور ان سے امام طبرانی، ابن الاعرابی وغیرہ حدیث بیان کرتے ہیں، دار قطنی کہتے ہیں ثقہ ہے، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا، ذہبی فرماتے ہیں **المحدث، الامام الثقۃ** ہیں، سچائی فہم اور وسعت روایت کے ساتھ بہت سے محدثین سے حدیث کی سماعت کی (**ارشاد القاصی والدانی الی تراجم شیوخ الطبرانی** ۶۰۰/ طبع دار الکیان الریاض) اس کے بعد امام طبرانی کے حالات لکھنے کی ضرورت نہیں، وہ مجمع علیہ محدث عظیم ہیں،

اس سند سے متعلق امام ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

رواہ الطبرانی فی الاوسط ورجالہ وثقوا وفی بعضھم ضعف (مجمع الزوائد ۵۱۲/۸)

اس کو طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ بتائے گئے ہیں بعض راویوں میں معمولی ضعف

ہے،
تو یہ سنداگراونچے درجہ کی صحیح نہ کہی جائے تو حسن ہونے میں شبہ نہیں ہے، اب قیس کی سنداورراویوں پر بحث کرتے ہیں

قیس بن ابی حازم:

یہ ابوعبداللہ قیس بن ابی حازم بجلی احمسی کوفی ہیں،ان کے والدابوحازم کا نام حصین بن عوف ہے جوصحابی ہیں رضی اللہ عنہ،امام ذہبی ان کو**الامام محدث الکوفة** لکھتے ہیں، نبی کریم ﷺ کی ملاقات کیلئے چلے لیکن راستہ میں تھے کہ نبی کریم ﷺ وفات پا گئے،(تذکرۃ الحفاظ ۴۹/۱)عشرہ مبشرہ میں سے سوائے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے باقی حضرات سے حدیث نبوی کا سماع کیا ہے،بیان بن بشر،اسماعیل بن ابی خالد،امام اعمش،مجالدوغیرہم رحمہم اللہ ان کے شاگرد ہیں (تذکرۃ الحفاظ)ابوداؤدفرماتے ہیں سند کے اعتبار سے سب تابعین سے عمدہ سندوالے ہیں،یعقوب بن ابی شیبہ فرماتے ہیں قدیم تابعین میں سے ہیں،حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اس وقت ملاقات رہی ہے جب کامل مرد تھے،یہ مضبوط روایت والے ہیں،امام یحیی بن معین فرماتے ہیں کہ ثقہ ہیں زہری سے بڑھ کر ثقہ ہیں،ان کے شاگرد اسماعیل بن ابی خالداس کومضبوطی میں ستون یعنی ثقہ کہہ کرحدیث بیان کرتے (تہذیب التہذیب ۲۶/۶،۲۷)امام عجلی فرماتے ہیں قیس ثقہ ہے(الثقات للعجلی ۳۹۲/۱)امام ابن حبان نے اس کوثقات میں ذکر کیاہے(الثقات ۳۰۷/۵)امام دارقطنی نے قیس کواپنی کتاب [**اسماء التابعین ومن بعدهم ممن صحت روایته عن الثقات عند البخاری**] میں ۸۸۸نمبر پردرج کیاہےجس میں وہ راوی ذکر ہیں جن کی روایت ثقہ سے منقول ہوتوامام بخاری کےنزدیک روایت صحیح ہوتی ہے(۳۰۰/۱)یعنی قیس بن ابی حازم کی روایات ثقہ سے مروی ہوں توامام بخاری کےنزدیک صحیح ہیں،امام ذہبی نے ایک رسالہ تحریرفرمایاجس کا نام رکھا**الرواة الثقات المتكلم فيهم بمالايوجب ردهم** اس میں قیس کا ذکر۶۷نمبر پرکیایعنی قیس ایسے راویوں میں سے ہےجس میں کسی نے کلام کیا تواس کی جرح مردود ہے،اورفرمایا قیس ثقہ ہے،امام ہے،قریب تھا کہ صحابی بن جاتا،اوراس کی حدیث تمام دفاتراسلام میں ہے،اس میں امام ذہبی نے یحیی بن سعید قطان کاقول ذکرکیاکہ قیس منکرالحدیث ہے ،پھرفرمایا**هذاالقول مردود** یہ قول مردود ہے(صفحہ۱۵۳)**الکاشف** (۱۳۸/۲)میں فرمایا محدثین نے قیس کوثقہ کہاہے،اور**المغنی فی الضعفاء** (۵۳۶/۲)میں فرمایا قیس ثقہ ہے پہاڑ ہے،ابن معین اورمحدثین نے اس کوثقہ

قرار دیا پھر یحیی کا قول ذکر کیا کہ اس کی منکر احادیث ہیں جن میں سے حدیث کلاب حوأب بھی ہے، پھر فرمایا یہ احادیث ثابت ہیں (یحیی نے درست نہیں کہا) سیر اعلام النبلاء (۱۱۲/۵) میں قیس کے ذکر میں ان کو **العالم الثقة الحافظ** فرمایا، امام صلاح الدین ابوسعید خلیل دمشقی (م ۷۶۱ھ) اپنی کتاب **المختلطین** (۹۹/۱) میں ۳۷ نمبر پر قیس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ان اکابر تابعین میں سے ہے جن سے حجت لی جاتی ہے،

قاضی طاہر علی صاحب نے یہ ذکر کیا کہ قیس اخیر عمر میں سٹھیا گئے تھے، جی ہاں ان کے سٹھیا ہونے کو بیان کرنے والے ان کے شاگرد اسماعیل بن ابی خالد ہیں اور اس حدیث کو ان سے روایت کرنے والے بھی اسماعیل ہیں تو اسماعیل کا دماغ خراب نہیں تھا کہ سٹھیا ہونے کے بعد حدیث سنی ہو اور آگے بیان کردی ہو، ظاہر ہے کہ یہ حدیث حالت صحت میں سنی ہے، تب ہی آگے بیان کی ہے، قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب نے تہذیب التہذیب کے حوالے سے ذکر کیا کہ بعض محدثین نے قیس کو ضعیف، منکر الحدیث اور ساقط الحدیث قرار دیا ہے، اس بارے میں ہمیں تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ قاضی صاحب جتنے ساقط الحدیث، مردود الروایت ہیں اتنے قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ ساقط الحدیث اور مردود الروایت نہیں ہیں، کیوں کہ قاضی صاحب خائن اور منکرین حدیث کی طرح یک طرفہ ٹریفک چلانے کے عادی ہیں اور قیس رحمہ اللہ خیانت، کذب، وضع، وغیرہ جیسی عادتوں سے محفوظ ہیں،

اصل بات سمجھیں کہ امام یعقوب بن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ یہ متقن الروایت ہے یعنی جن کی روایت مضبوط ہوتی ہے، یہ امام یعقوب کا اپنا فیصلہ ہے اس کے بعد فرماتے ہیں ہمارے اصحاب (محدثین) نے اس میں کلام کیا تو بعض نے تو اس کی قدر و عظمت کو اونچا بتایا، اور اس سے منقول حدیث کو سب سے زیادہ صحیح سند والی بتایا (یہ ایک قول ہوا جس کے مؤید خود امام یعقوب ہیں) اور بعض نے ان پر طعن کیا اور فرمایا کہ ان کی منکر روایات ہیں (یہ دوسرا قول ہے جس کے مخالف خود امام یعقوب ہیں) اور جن حضرات نے قیس کو بڑھایا ہے انہوں نے وہ احادیث یہ سمجھ کر لے لی ہیں کہ وہ ان کے نزدیک منکر نہیں ہیں، اور کہا وہ احادیث (بس) غریب ہیں (یعنی ایسی اخبار واحدہ ہیں جن کو روایت کرنے میں اکیلے ہیں، اور ظاہر ہے کہ خبر واحد غریب مردود نہیں ہوتی تو وہ احادیث کیوں مردود ہوں گی) اور بعض نے قیس پر ان کے مذہب کے اعتبار سے طعن کیا ہے اور کہا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر طعن کرتے تھے اور مشہور یہ ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی سے افضل سمجھتے اس لئے قدیم کوفی محدثین میں سے بہت سے حضرات نے اس

سے مروی روایت سے پرہیز کیا (تہذیب ۲۷/۶ طبع دار الحدیث قاہرہ)

لیجیئے جن محدثین نے ان پر طعن کیا خود امام یعقوب بن ابی شیبہ کے نزدیک وہ طعن قابل قبول نہیں ہے، مردود ہے ، پھر جب قیس عثمانی یعنی حضرت عثمان کو حضرت علی سے افضل سمجھنے والے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والے ہوئے تو اگر یہ روایت حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا پر طعن کا سبب ہوتی وہ کیوں بیان کرتے ؟

بعض محدثین نے ان کی روایات کو منکر کہا تو اس بارے میں صرف یحیی بن سعید القطان کا قول ذکر ہے کہ انہوں نے قیس کو منکر الحدیث کہا ہے کسی اور کا نام کتب اسماء الرجال میں ذکر نہیں ، تو یہاں بھی قاضی صاحب نے دانستہ یا نا دانستہ خیانت کی ہے کیوں کہ آگے علامہ ابن حجر کا تبصرہ تو بیان کرنا چاہیئے تھا وہ قاضی صاحب ہضم کر گئے ہیں، علامہ ابن حجر فرماتے ہیں

ومراد القطان بالمنكر الفرد المطلق (تهذيب ٢٨/٦)

یحیی قطان کے منکر کہنے سے مراد فرد مطلق ہے،

یعنی یحیی بن سعید کے منکر کہنے سے مراد یہ ہے کہ قیس کئی روایات میں اکیلے ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اکیلے ہونا کوئی جرح نہیں ہے نہ راوی ضعیف ٹھہرتا ہے، پھر حدیث کلاب حوأب تو ایسی منکر نہیں بنتی کیوں کہ اس کی روایت میں قیس اکیلا نہیں ہے جیسا کہ سندوں پر بحث گذری ہے ، قاضی صاحب نے جو کہا کہ بعض محدثین نے ان کو ضعیف کہا ہے تو کتب اسماء الرجال میں قیس کے متعلق ضعیف ہونے کا قول کسی بھی محدث کا نہیں ملتا یہ قاضی صاحب نے خوامخواہ محدثین کے ذمہ لگایا ہے، جس پر میں زیادہ تبصرہ کروں تو قاضی صاحب جلالی آدمی لگتے ہیں جوش میں آجائیں گے ، بس اتنا کہوں گا کہ اس حرکت سے قاضی صاحب کی پوزیشن قیس کی اس پوزیشن سے بھی گر گئی جو قیس کی پوزیشن قاضی صاحب کے نزدیک ہے، ہاں اب یہ سوال ہوگا کہ اور نہ سہی تو منکر الحدیث تو کہہ دیا گیا تو کیا اس سے قیس ضعیف نہیں ہوا اور کیا قیس کی روایات ضعیف نہ ہوں گی؟ تو جواب یہ ہے کہ محدثین نے قطان کے قول کے باوجود قیس اور اس کی روایات کو ضعیف نہیں مانا چنانچہ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

اجمعوا على الاحتجاج به ومن تكلم فيه فقد آذىٰ نفسهٗ (ميزان الاعتدال ٣٩٣/٣ ،تهذيب التهذيب ٢٨/٦)

محدثین نے اس کی روایات کو حجت بنانے پر اجماع کیا ہے اور جس نے قیس پر کلام کیا اس نے اپنے آپ

کو (خوامخواہ) تکلیف میں ڈالا ہے،

حديثهٔ محتج به في كل دواوين الاسلام (تذكرة الحفاظ ۱/۴۹)

اس کی حدیث تمام دفاتر اسلام میں حجت بنائی گئی ہے ،

قاضی صاحب !اپنے پر رحم کر کے آئندہ اپنی جان کو اس تکلیف میں نہ ڈالیں ،نہ اپنے قارئین اور ہم لوگوں کو تکلیف دیں، یہ آپ کی مہربانی ہوگی ،جب محدثین نے اس سے حجت لینے پر اجماع عملی کرلیا تو آپ کی حیثیت اس اجماع کے مقابلہ میں کیا ہے؟ اور آپ کون ہوتے ہیں اس اجماع کے مقابلہ میں کھڑے ہونے والے؟ بہرحال قیس ثقہ ہے،اس کی روایات حجت ہیں ،نہ ضعیف ہے ،نہ مردود الروایت ہے،اور قیس تو اکیلا بھی نہیں ہے اس لئے حدیث غریب بھی نہیں رہتی ،قیس کا متابع امام مسروق ہے،۔۔۔۔۔۔ پھر قیس سے روایت کرنے والے اسماعیل بن ابی خالد ہیں

اسماعیل بن ابی خالد:

یہ اسماعیل بن ابی خالد احمسی کوفی ہیں،تہذیب التہذیب میں تقریباً ڈیڑھ صفحہ میں ان کا ترجمہ ہے اور سب محدثین کی توثیق اور تعریف نقل ہے جلیل القدر تابعی ہیں تفصیل سے ان کے متعلق محدثین کی آراء ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ،ابن مہدی نسائی ،ابن معین ،عجلی ،ابوحاتم ،یعقوب بن ابی شیبہ ،ابن حبان ،یعقوب بن سفیان ،وغیرہم سے توثیق نقل ہے، کسی نے ضعیف نہیں کہا،اسماعیل سے روایت کرنے والے دس راوی ہیں ،یعنی شعبہ ،یزید بن ہارون ،جریر ،عبدہ ،ابواسامہ ،وکیع ،علی بن مسہر ،یعلی بن عبید ،محمد بن فضیل ،یحیی بن سعید قطان ہیں ،

شعبہ بن الحجاج **الحجة الحافظ شيخ الاسلام** ہیں (تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۴۴) یزید بن ہارون **الحافظ القدوة شيخ الاسلام** ہیں (ایضاً ۱/۲۳۱) جریر بن عبدالحمید **الحافظ الحجة محدث الری** ہیں (تذکرۃ الحفاظ ۱/۱۹۹) عبدہ بن سلیمان کوفی **الامام الحافظ** ہیں (ایضاً ۱/۲۲۷) ابواسامہ حماد بن اسامہ **الحافظ الامام الحجه** ہیں (۱/۲۳۴) وکیع بن الجراح بن ملیح **الامام الحافظ الثبت محدث العراق احدالائمة الاعلام** ہیں (۱/۲۲۳،۲۲۴) علی بن مسہر کوفی **الامام الحافظ قاضی الموصل** ہیں (۱/۲۱۲) یعلی بن عبید طنافسی **الحافظ الثبت** ہیں (۱/۲۴۴) محمد بن فضیل ابن غزوان کوفی **المحدث الحافظ** ہیں (۱/۲۳۰) یحیی بن سعید قطان بصری **الامام العلم سيدالحفاظ** ہیں (۱/۲۱۸) یہ سارے اکابر محدثین میں سے ہیں، تفصیل چوں کہ بہت ہوگئی اس لئے

ان میں سے ہرایک کا تفصیلی ترجمہ ذکر نہیں کیا، امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حفاظ حدیث میں ان سب کو درج کیا ہے ،ان میں سے کسی ایک پر کوئی معمولی کلام ہوا بھی ہے تو محدثین نے اس کو درست نہیں سمجھا اور ان سب حفاظ حدیث کی حدیثوں کو حجت اور صحیح مانا ہے ،لیجیئے ان راویوں تک امام احمد بن حنبل کی ایک سند اور امام ابن ابی شیبہ ،نعیم بن حماد، اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ چار ائمہ محدثین کی سند مکمل ہوگئی ،معلوم ہوا کہ قیس کی حدیث کلاب حوأب والی ان ائمہ کی سند بالکل صحیح ہے ،اس کے بعد ضرورت تو نہیں کہ آگے کی تحقیق کی جائے ،لیکن اختصار کے ساتھ آگے کی سند پر بھی بحث کر لیتے ہیں ،امام احمد کی دوسری سند میں امام شعبہ سے روایت کرنے والے محمد بن جعفر ہذلی غندر ہیں صحاح ستہ کے راوی ہیں ثقہ ہیں کتاب سے حدیث صحیح بیان کرتے ہیں ہاں ان میں غفلت ہے (حافظہ سے بیان کرنے میں کبھی غلطی لگ جاتی ہے)(تقریب) شعبہ سے روایت کرنے میں مضبوط ہیں (تہذیب التہذیب) ظاہر یہی ہے کہ یہ روایت بھی چوں کہ صحیح بیان کی ہے اس لئے کتاب سے بیان کی ہوگی ، یہاں تک امام احمد کی دوسری سند مکمل ہوگئی ، یہ سند بھی اگر (غندر کی غفلت کی وجہ سے گو وہ حارج نہیں ہے) اونچے درجہ کی صحیح نہ مانیں تو حسن درجہ سے کم نہیں ہے، یاد رہے کہ محدثین مسند احمد میں امام احمد کی مرویات میں سے بعض کے متعلق موضوع ہونے کی بات بالکل نہیں کرتے ،ہاں ان کے بیٹے عبداللہ کی ان کے دوسرے مشائخ سے مروی روایات اور ابوبکر قطیعی کی بعض روایات پر یہ کلام کرتے ہیں ،اور چوں کہ حدیث کلاب حوأب خود امام احمد کی مرویات میں شامل ہے اس لئے محدثین کی ایسی کلام اِس کے بارے میں گھسیڑ دینا قاضی صاحب کے لئے درست نہیں ہے،

امام ابو یعلیٰ کی سند میں محمد بن فضیل سے روایت کرنے والے عبدالرحمٰن بن صالح ہیں

عبدالرحمٰن بن صالح:

یہ عبدالرحمٰن بن صالح ازدی عتکی ابوصالح کوفی بغدادی ہیں یہ سچے راوی ہیں ،البتہ ان میں تشیع ہے (تقریب) امام یحیی بن معین فرماتے ہیں یہ ایسا آدمی ہے کہ اس کو آسمان سے گرنا زیادہ پسند ہے آدھے حرف میں بھی جھوٹ بولنے سے ،امام احمد بن حنبل اور یحیی بن معین ،موسیٰ بن ہارون ،ابن حبان اس کو ثقہ کہتے ہیں ،ابوحاتم صدوق (سچا) کہتے ہیں ،ابن عدی فرماتے ہیں اس کے متعلق حدیث میں ضعیف ہونے کا تذکرہ نہیں ہوا نہ میں حدیث میں اس کو متہم کرتا ہوں ،ابوقاسم بغوی فرماتے ہیں میں نے اس کو یہ کہتے سنا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت کے افضل آدمی حضرت ابوبکر اور عمر ہیں رضی اللہ عنہما (تہذیب ۴/۳۲۲، ۳۲۳) یہاں تک امام ابو یعلیٰ کی سند مکمل ہوئی تو یہ

سند بھی اگر عبدالرحمٰن کے تشیع کی وجہ سے (گو وہ صدق کی وجہ سے حارج نہیں) صحیح نہ مانیں تو بھی حسن ثابت ہوئی، امام ابراہیم بن اسحاق حربی کی سند میں عبدہ بن سلیمان سے روایت کرنے والا ابن نمیر ہے

ابن نمیر:

یہ عبداللہ بن نمیر کوفی ہے جو **الحافظ الامام** ہے (تذکرۃ الحفاظ ۱/۲۳۹) ثقہ، محدث اہلسنت میں سے ہے (تقریب) تو امام ابراہیم بن اسحاق حربی کی سند بھی بالکل صحیح ہوئی، اس میں تو کوئی ایسا راوی بھی نہیں ہے جس پر ذرا سا تشیع کا الزام ہو، امام ابن حبان کی سند میں امام وکیع اور علی بن مسہر سے روایت کرنے والے عثمان بن ابی شیبہ ہیں

عثمان بن ابی شیبہ:

یہ عثمان بن محمد بن ابی شیبہ عبسی کوفی ہیں، ثقہ اور حافظ حدیث مشہور محدث ہیں، البتہ ان کے بعض اوہام ہیں (تقریب) امام ابن معین فرماتے ہیں ثقہ قابل اطمینان ہیں، ذہبی فرماتے ہیں اس کی کئی اکیلی اور غریب روایات ہیں (تذکرۃ الحفاظ ۲/۲۴، ۲۵) عثمان متابع کا محتاج نہیں، وسعت علمی کی وجہ سے اس کی اکیلی روایات پر نکیر نہیں کی جاسکتی، بخاری مسلم نے ان پر اعتماد کیا ہے (میزان الاعتدال ۳/۳۷) عثمان بن ابی شیبہ سے روایت کرنے والا عمران بن موسیٰ بن مجاشع ہے،

عمران بن موسیٰ بن مجاشع:

یہ عمران بن موسیٰ بن مجاشع جرجانی محدث جرجان ہے، امام ذہبی **الحافظ الثقہ** کہتے ہیں، اور یہ کہ ثقہ مضبوط صاحب تصانیف ہیں (تذکرۃ الحفاظ ۲/۲۳۲) یہاں تک امام ابن حبان کی سند بھی مکمل ہوگئی، اس سند کے راویوں میں بھی ایسا کوئی عیب نہیں جس سے سند ضعیف ہو، تو ابن حبان کی سند بھی صحیح ہے، اب ایک امام حاکم اور امام بیہقی کی دلائل النبوۃ کی سندوں کی بحث باقی رہی، امام حاکم کی سند میں یعلی بن عبید سے روایت کرنے والا محمد بن عبدالوہاب عبدی ہے،

محمد بن عبدالوہاب العبدی:

یہ ابو احمد محمد بن عبدالوہاب العبدی الفراء ہیں، امام ذہبی ان کو **محدث نیسابور** لکھتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ ۲/۱۲۲) اور امام ذہبی اور عبدالحی بن احمد العکری حنبلی ان کو **الفقیہ الادیب** علم کے خزانہ لوگوں میں سے ایک بتاتے ہیں (**العبر فی خبر من غبر** ۱/۳۹۳، **شذرات الذهب** ۳/۳۰۶) امام عفیف الدین یافعی (م ۷۶۸ھ

) بھی ان کو **الفقیه ،الادیب ،الاوحد** (بے مثال) علم کے خزانوں میں سے ایک لکھتے ہیں **(مرأة الجنان وعبرة الیقظان ۲/ ۱۳۹)** علامہ ابن حجر فرماتے ہیں ثقہ اور عارف ہے (تقریب ۲/۱۰۸) محمد بن عبدالوہاب سے روایت کرنے والا محمد بن یعقوب شیبانی ہے،

ابوعبداللہ محمد بن یعقوب الشیبانی:

یہ ابوعبداللہ محمد بن یعقوب الشیبانی ہیں امام ابومحمد عفیف الدین یافعی رحمہ اللہ ان کو **الحافظ** لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں محدث نیشاپور ہیں، مسند کبیر لکھی ہے اور صحیحین پر بھی تصنیف لکھی، اور باوجود حدیث وعلل واسماء رجال میں مہارت کاملہ کے نیشاپور سے سفر نہیں کیا **(مرأة الجنان وعبرة الیقظان ۲/ ۲۵۳)** امام ابویعلی خلیلی خلیل بن احمد قزوینی (م ۴۴۶ھ) فرماتے ہیں اخرم سے مشہور ہے ثقہ اور حافظ ہے، امام حاکم فرماتے ہیں میں نے دیانت اور علم میں ان کا مثل نہیں دیکھا **(الارشاد فی معرفة علماء الحدیث ۳/ ۸۳۵)** امام ذہبی **الامام الحافظ الحجة** لکھتے ہیں، سنہ ۲۵۰ھ کو پیدا ہوئے، حدیث جمع کی اور خوب محفوظ کی، وسعت علم کے باوجود حدیث کے لئے سفر نہیں کیا اپنے شہر پر اکتفاء کیا، حاکم کہتے ہیں ابن شرقی کے بعد ہمارے شہر کے صدرالمحدثین تھے، حفظ کرتے اور سمجھتے ،**المستخرج علی الصحیحین** اور **المسندالکبیر** لکھی **(سیر اعلام النبلاء ۱۵/ ۴۶۶)** امام ابوعبداللہ محمد بن یعقوب سے روایت کرنے والے خود امام حاکم ہیں، چوں کہ امام حاکم بھی قاضی صاحب کے ہاں مجروح ہیں اس لئے ان کے حالات اور ثقاہت لکھنے کی بھی ضرورت ہے اس لئے لکھے جاتے ہیں،

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم:

یہ امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم الضبی الطہمانی نیشاپوری ہیں، امام ذہبی ان کو **الحافظ الکبیر امام المحدثین** سے ذکر کرتے ہیں سنہ ۳۲۱ھ میں پیدا ہوئے، سنہ ۴۰۵ھ میں فوت ہوئے، تیس سال تک حدیث کا سماع کیا خراسان، ماوراء النہر وغیرہ شہروں میں گھومے، دو ہزار سے زیادہ محدثین ان کے استاذ ہیں ابوالعباس الاصم، ابوعبداللہ الاخرم، ابوبکر النجاد وغیرہم سے حدیث لی، امام بیہقی، دارقطنی، ابوذر ہروی، ابویعلی خلیلی وغیرہم ان کے شاگرد ہیں، امام خلیل بن عبداللہ الحافظ فرماتے ہیں ثقہ ہیں وسیع العلم ہیں **(تذکرة الحفاظ ۳/۱۶۲،۱۶۳)** اور ذہبی فرماتے ہیں ثقہ اور حجت ہیں **(العبر ۲/ ۲۱۰))** امام عبدالغافر بن اسماعیل فرماتے ہیں اپنے زمانہ کے محدثین کے امام ہیں، حدیث کی اچھی طرح پہچان رکھنے والے ہیں **(تذکرہ ۳/ ۱۶۴)** امام ابوحازم العبدوی فرماتے ہیں اپنے

زمانہ کے محدثین کے امام تھے،امام دارقطنی فرماتے ہیں یادرکھنے میں خوب مضبوط ہیں (۱۶۵/۳)ابویعلی خلیل فرماتے ہیں عالم ہیں ،عارف ہیں ،وسیع علم والے بہت تصانیف والے ہیں ،اس سے بڑھ کرعلم میں میں نے نہیں دیکھا(**الارشادفی معرفة علماء الحدیث ۸۵۱/۳**)امام مبارک بن احمدابن المستوفی (م۶۳۷ھ)فرماتے ہیں حاکم ثقہ اورحجت تھے(**تاریخ الاربل ۱۵۷/۲**)امام سیوطی **الحافظ الکبیرامام المحدثین** لکھتے ہیں (**طبقات الحفاظ ۴۱۱/۱**)امام خیرالدین بن محمود بن محمد زرکلی دمشقی (م۱۳۹۶ھ)فرماتے ہیں اکابرمحدثین ومصنفین میں سے ہیں،صحیح حدیث کی تمیزوعلم سب سے زیادہ رکھتے ہیں (**الاعلام ۲۲۷/۶**)امام ابوحاتم فرماتے ہیں ان کے ثقہ ہونے پراجماع قائم ہوگیاہاں تشیع کی طرف منسوب ہیں(**فیض القدیر ۳۳/۱**)

کیاامام حاکم رافضی ہیں؟

اب ایک بات رہ گئی جس کوقاضی طاہرعلی صاحب لئے پھرتے ہیں،یہ کہ حاکم شیعہ ہے یارافضی؟امام تقی الدین عبدالوہاب سبکی شافعی رحمہ اللہ (م۷۷۱ھ)نے اس پرتفصیل سے کلام کیاہےفرماتے ہیں کہ امام حاکم پرتشیع کاالزام لگاہے،اوریہ بھی کہاگیاکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کومقدم کرتے ہیں (حضرت عثمان سے افضل جانتے ہیں)صحابہ پرطعن کیئے بغیر،

فنظرنافاذاالرجل محدث لایختلف فی ذالک ،وھٰذہ العقیدة تبعدعلی محدث فان التشیع فیھم نادروان وجدفی افرادقلیلین ،ثم نظرنامشائخہ الذین اخذعنھم العلم فوجدناھم من کباراھل السنة ومن المتصلبة فی عقیدة ابی الحسن کالشیخ ابی بکربن اسحاق الصبغی والاستاذابی بکربن فورک والاستاذابی سھل الصعلوکی وامثالھم وھؤلاء ھم الذین کان یجالسھم فی البحث ویتکلم معھم فی اصول الدیانات ومایجری مجرھا،ثم نظرناتراجم اھل السنة فی تاریخہ فوجدناہ یعطیھم حقھم من الاعظام والثناء مع ماینتحلون ،

ہم نے غورکیاتویہ محدث ہےاس میں کوئی اختلاف نہیں ہوسکتااورایساعقیدہ محدث پربعیدہےکیوں کہ ان میں تشیع نادرہےاگرچہ تھوڑےافرادمیں پایاگیا،پھرہم نے ان کے استاذدیکھےجن سےعلم لیاتووہ اکابراہل سنت اورسخت قسم کے ابوالحسن اشعری کےعقیدہ والے تھے جیسے شیخ ابوبکربن اسحاق صبغی ،استاذابوبکربن فورک،استاذ ابوسہل صعلوکی وغیرہ،اِنہی کےساتھ امام حاکم کسی تحقیق کے لئےمجلس کرتے اوردین کےاصولوں وغیرہ میں گفتگوکرتے ،پھرہم نے

حاکم کی تاریخ میں غور کیا تو اس میں دیکھا کہ وہ اہل سنت اکابرین کو ان کا حق دیتے ہیں یعنی عظمت کا بیان اور تعریف بمع ان کے عقائد کے (مزید فرماتے ہیں) پھر ہم نے امام ابوالقاسم ابن عساکر کو دیکھا کہ انہوں نے امام حاکم کو ان اشعریوں میں شمار کیا جو اہل تشیع کو بدعتی کہتے اور شیعوں سے اظہار برأت کرتے ہیں، تو ہمیں اِس شخص پر لگائی ہوئی تہمت میں شک ہوگیا پھر ہم نے تفصیلات دیکھیں تو ہمیں نظر آیا کہ طعن کرنے والے یہ ذکر کرتے ہیں کہ محمد بن طاہر المقدسی نے ذکر کیا کہ اس نے ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری سے حاکم کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا حدیث میں ثقہ ہے اور رافضی خبیث ہے، اور یہ کہ ابن طاہر نے کہا کہ حاکم اندر سے سخت متعصب شیعہ تھا اور افضلیت اور خلافت کے مسئلہ میں سنی ہونا ظاہر کرتا تھا، اور حضرت معاویہ اور ان کے گھرانے سے غلو کرتے ہوئے منحرف تھا اس کا کھل کر اظہار کرتا اور اس سے کوئی عذر نہ کرتا ۔ (مزید لکھتے ہیں)

استخرتُ اللہ طویلاً و استهدیته التوفیق و قطعتُ القول بان کلام ابی اسماعیل و ابن طاهر لایجوز قبولهٔ فی حق هٰذا الامام لمابینهم من مخالفة العقیدة و مایرمیان بهٖ من التجسیم اشهر ممایرمی به الحاکم من الرفض

میں نے اللہ تعالی سے بہت استخارہ کیا اور توفیق ہدایت مانگی اور اس بات کو یقینی سمجھ لیا کہ ابو اسماعیل اور ابن طاہر کی کلام کو اِس امام کے حق میں قبول کرنا جائز نہیں ، کیوں کہ دونوں میں عقیدہ کی مخالفت ہے اور تجسیم کی جو تہمت اِن دو پر ہے وہ امام حاکم پر رفض کی تہمت سے زیادہ مشہور ہے،

ولم یبلغنا ان الحاکم ینال من معاویة و لایظن ذالک فیه و غایة ماقیل فیه الافراط فی ولاء علی کرم اللہ وجههٔ

اور ہم تک یہ بات (صحیح) نہیں پہنچی کہ امام حاکم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرتے ، اور اس کا ان میں گمان بھی نہیں کیا جاسکتا، زیادہ سے زیادہ ان کے متعلق جو کہا جاسکتا ہے تو یہ کہ ان کو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے بہت زیادہ محبت ہے (**طبقات الشافعیه الکبری للسبکی ۴/۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳**)

معلوم ہوا کہ امام حاکم رحمہ اللہ پر خواہ مخواہ الزام لگا دیا گیا، اور پھر ہر بعد والا بحوالہ ابن طاہر نقل کرتا رہا، حالاں کہ ابن طاہر کے سوا اس کی کوئی سند نہیں،

امام ذہبی نے بحوالہ ابن طاہر ابو اسماعیل عبداللہ انصاری سے نقل کر کے کہ حاکم رافضی خبیث ہے، امام ذہبی

فرماتے ہیں

ان اللہ یحب الانصاف ماالرجل برافضی بل شیعی فقط (میزان الاعتدال ۳/۶۰۸،لسان المیزان ۵/۲۳۳)

اللہ تعالی انصاف کو پسند کرتا ہے حاکم رافضی آدمی نہیں ہے صرف شیعہ ہے،

کلالیس ہورافضیاًبل یتشیع،کذاقال شیخ الاسلام الانصاری ولم یصب فان الحاکم لیس برافضی بل ہوشیعی معظم للشیخین بیقین ولذی النورین وانماتکلم فی معاویة رضی اللہ عنه فأوذی (سیراعلام النبلاء ۱۷/۵۷۶)

ہرگزنہیں وہ رافضی نہیں ہیں بلکہ تشیع اختیارکرتے ہیں،شیخ الاسلام انصاری نے یہ کہالیکن ٹھیک نہیں کہا،کیوں کہ حاکم رافضی نہیں بلکہ شیعہ ہے یقیناً شیخین اورعثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم کی تعظیم کرتا ہے،بس اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کلام کیا تو اس کوستایا گیا،

قاضی صاحب کہتے ہیں کہ یہ درست ہے کہ یہاں توامام ذہبی نے ان کے رافضی ہونے کی نفی کردی ہے لیکن تلخیص المستدرک میں ایک روایت کے تحت امام ذہبی فرماتے ہیں

قبح اللہ رافضیاًافتراہ اوراس کاترجمہ کیااس رافضی کابراہو،یہ روایت اس نے خودگھڑلی ہے

،-------------

حالاں کہ یہ ترجمہ بالکل غلط اور جملہ کی ترکیب نحوی کے خلاف ہے،قاضی صاحب کونحو سے واسطہ ہے توذراسوچیں کہ قاضی صاحب نے **قبح اللہ رافضیاً** کوایک جملہ اور **افتراہ** کوالگ دوسراجملہ بناکرترجمہ کردیااورترجمہ میں بھی کئی محذوفات مان کراضافے کردیئے،صحیح ترجمہ اس طرح ہے

''اللہ تعالی اُس رافضی کابرا کرے جس نے اِس کوگھڑا ہے''

اب یہ ایک جملہ ہوااورکوئی محذوف نہیں ماننا پڑا،اس میں **رافضیاً**موصوف **افتراہُ** صفت ہے،موصوف صفت مل کرقبح فعل کامفعول بہ ہے،قاضی صاحب کاترجمہ مانیں توامام حاکم پرایک الزام نہیں دوالزام لگیں گےاول یہ کہ امام حاکم رافضی ہیں،دوم یہ کہ حدیث گھڑتے ہیں یعنی وضاع بھی ہیں حالاں کہ کسی نے آج تک ان پروضع کاالزام نہیں لگایا،دراصل امام ذہبی فرمانا چاہتے ہیں کہ جس رافضی نے اس کوگھڑا ہو اللہ اس کابرا کرے نہ یہ کہ امام حاکم رافضی ہے

اور اس نے اس کو گھڑا ہے اور اللہ امام حاکم کا برا کرے **استغفر الله** ،

اس پر قاضی صاحب کہتے ہیں کہ اگر راوی مراد ہو تو اگر گھڑنے والا راوی رافضی بنتا ہے تو اس روایت کو صحیح سمجھنے والا بدرجہ اولیٰ اس لقب کا مستحق ہوگا (علمی محاکمہ ص ۴۵۱)

جواب یہ ہے کہ کسی کا مذہب محض قیاس سے ثابت نہیں ہوتا اس لئے اس طرح قیاس سے امام حاکم کو رافضی نہیں کہہ سکتے، ممکن ہے کہ ان کے نزدیک روایت کی کوئی صحیح توجیہ ہو مثلاً حضور ﷺ کا مقصود صحابہ یا بالخصوص خلفاء راشدین کے علاوہ باقی امتیوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا افضل عمل والا ہونا بتانا ہو، تو بتایئے پھر کیوں رافضی ٹھہریں گے ؟ کیا تاویل ہو سکے تب بھی اور نہ ہو سکے تب بھی بہر حال امام حاکم کو رافضیوں کی جماعت میں ہی شامل کر کے چھوڑنا ہے؟

ابن طاہر کے حالات:

یہاں یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ ابن طاہر نے جو امام انصاری سے حاکم کا رافضی خبیث ہونا ذکر کیا ہے تو بیشک ابن طاہر محدث ہیں ، اور ان کے استاذ انصاری رحمہ اللہ بھی محدث ہیں ، مگر ابن طاہر کے متعلق حافظ ابو الفضل بن ناصر فرماتے ہیں یہ ایسا ہے جس سے حجت نہیں لی جا سکتی، اس نے ایک کتاب لکھی جس میں بے ریش لڑکوں پر بدنظری کو جائز ثابت کرنا چاہا، اور اس میں امام یحیی بن معین سے حکایات نقل کیں، اور فرمایا یہ مذہب اباحت رکھتا تھا (تاریخ بغداد ۲۱/۲۴) تو اگر واقعی ایسی بات ابن طاہر سے ثابت ہو تو اس کی منقول روایت درست نہیں مانی جا سکتی، امام ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ سے معلوم ہوا کہ ابن طاہر داؤد ظاہری کا مذہب رکھتا تھا اور ظاہریہ کے نزدیک خوبصورت لڑکوں کو دیکھنا (بدنظری) جائز ہے اور ابن طاہر بھی ان میں سے ہونے کی وجہ سے جائز سمجھتا تھا (حالاں کہ بدنظری گناہ ہے) اور ذہبی فرماتے ہیں کہ ابن طاہر کے مذہب اباحت سے اباحت مطلقہ جو زندیقیت ہے مراد نہیں بلکہ صرف سماع جائز قرار دیتا تھا، ابن عساکر کہتے ہیں ابن طاہر کی بکثرت کتابیں ہیں لیکن ابن طاہر کثیر الوہم ہے ، اس کے اچھے اشعار ہیں نحو اچھی طرح نہیں جانتا تھا، سلفی کہتے ہیں فاضل تھا معرفت رکھتا تھا لیکن **لحنه** تھا (**لحنه** کے دو معنی لغت میں ہیں جس کی غلطی لوگ بکثرت پکڑیں، اور جو لوگوں کی غلطی بہت پکڑے، یہاں قرین قیاس دوسرا معنی معلوم ہوتا ہے [کھپڑ مزاج] مطلب یہ ہوا کہ قاضی طاہر علی صاحب کا ہم مزاج تھا گو وہ ظاہری تھا یہ حنفی ہیں) (تذکرۃ الحفاظ ۲۹/۴) بہر حال مخالفت مذہب وعقیدہ کی وجہ سے امام حاکم پر الزام لگا دیا، اسی کو مذہبی تعصب کہتے ہیں، اور ایسے

دومخالفین کی ایک دوسرے پر جرح مردود ہوتی ہے،اور یہ باتیں کہ حاکم کہتے کہ حضرت علی وصی ہیں ،وغیرہ ممکن ہے کہ وہ بھی ایسے راوی کی نقل کردہ ہوں ،بے بنیاد ہیں،

اوپر مذکورامام سبکی کی عبارت سے ایک اور بات بھی معلوم ہوئی کہ اِن حضرات کا فرقہ مجسمہ سے ہونا مشہور ہے ،اورحاکم اہل سنت شافعی ہیں اِس اختلاف عقیدہ نے اُن کو ایسی باتوں پر مجبور کیا ہوگا ، یہ نہیں کہا جارہا کہ انہوں نے جان کر جھوٹا الزام لگادیا ہوگا بلکہ ان کے اختلاف کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی غیر نے ایسی غلط فہمیاں ڈال دی ہوں گی ،اورغلط فہمی سے آدمی الزام لگادیتا ہے اوراپنے کو سچا سمجھ رہا ہوتا ہے اور واقع میں بات غلط ہوتی ہے مگر آدمی اس میں معذور ہوتا ہے،ایسا ہی معاملہ یہاں ہوا ہوگا،

رہا ان کا شیعہ ہونا تو اگر ثابت ہو تو شیعہ ہونا ایسا عیب نہیں جس سے روایات رد ہوں ، ورنہ جیسا کہ امام سبکی نے فرمایا انتہائی محبت علی پر مخالفین نے شیعان علی میں سے ہونے کا الزام لگادیا ہوگا،شاید یہ ایسا ہو جیسے امام نسائی کو اہل دمشق نے شیعہ مشہور کردیا حالاں کہ اہل دمشق کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض ونفرت تھی ،اورحضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل نہیں سننا چاہتے تھے اورحضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل ہی سننا چاہتے تھے،امام نسائی نے ایسے ہی لوگوں کی غلط فہمی اور بد مذہبی دور کرنے کے لئے کتاب خصائص علی رضی اللہ عنہ لکھی ،اوراس میں حدیث طیر بھی تحریر کی ،حالاں کہ وہ امام اہل سنت ہیں،ایسے ہی امام حاکم کو سمجھیں،امام حاکم کے دور میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہت بڑھانے والوں نے امام حاکم کی مخالفت کی،اورامام حاکم کی شیعیت سے شہرت انہی کے پروپیگنڈہ کا نتیجہ لگتا ہے،شاید امام نسائی کی طرح ان کا قصد بھی فضائل علی بیان کرکے فضا کی اصلاح ہو،اورمخالفین علی نے کئی دوروں میں کئی لوگوں کو شیعان علی سے شہرت دے دی، جیسے اِن لوگوں نے امام نسائی کو اتنی تکلیف دی کہ آخر اسی تکلیف سے فوت ہوگئے،ایسے لوگ امام حاکم کو ستانے کے درپئے ہوئے اوران کا منبر تک توڑ دیا تھا اوران کو نکلنے نہیں دیتے تھے، یہ محمد بن کرام کے لوگ تھے جو فرقہ کرامیہ کہلاتے ہیں (البدایہ ۱۱/۳۵۵،طبقات الشافعیین لابن کثیر) کتاب مستدرک دیکھیں تو اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق خلفاء راشدین کی ترتیب بیان کی ہے،اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے **خلیفة رسول الله ﷺ ابی بکر بن ابی قحافة الصدیق رضی الله عنه** کہہ کر مناقب شروع کئے ،لقب عتیق ،صدیق ،حضور ﷺ کے ساتھ ان کی مناسبت وموافقت ،اول مسلم بننا،صحابہ کا سردار،حضور ﷺ کا اپنی زندگی میں انکو امام بنانا، پھر حضور ﷺ سے منقول ان کے مناقب بیان کئے،صحابی کے خواب

میں ترازو پر حضورﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پھر حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا پھر حضرت عمر وعثمان رضی اللہ عنہ کا تولا جانا پھر ترازو کا آسمان پر چلا جانا ذکر ہے جس سے حضورﷺ کے بعد ان کا پھر حضرت عمر کا پھر حضرت عثمان کا خلیفہ ہونا ثابت ہوتا ہے رضی اللہ عنہم بیان کی، حدیث **اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر** جو بلا فصل خلافت صدیق وفاروق کی دلیل ہے بیان کی، اور خلافت کے تیس سال ہونے کی حدیث بیان کی (جو قاضی صاحب نہیں مانتے، اس پر آگے تفصیل بیان ہوگی انشاء اللہ) جس سے چاروں خلفاء راشدین کا برحق خلیفہ ہونا ثابت ہوتا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جنتی ہونا، حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا حضورﷺ کو سب سے محبوب ہونا صحابہ رضی اللہ عنہم کا بالاجماع حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ ماننا اور خلیفہ کہنا بیان کیا، پھر مناقب امیر المؤمنین عمر بن الخطاب کا عنوان قائم کیا، حضورﷺ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ سے مانگنا، ان سے اسلام کا غلبہ ہونا، کمالات نبوت کا کچھ حصہ ملنا (**لو کان بعدی نبی لکان عمر**) ملہم من اللہ ہونا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان وقلب پر حق وارد ہونا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد) سب سے افضل ہونا (**ماطلعت الشمس علی رجل خیر من عمر**) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اپنے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کرنے میں صحیح الرائے ہونا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت بیان کی، پھر فضائل امیر المؤمنین ذی النورین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا عنوان قائم کیا، اس میں پہلے پہل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہونے میں بے قصور ہونا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل، ام المؤمنین کی حدیث جس میں مسجد کی بنیاد رکھنے میں اول نبی کریم ﷺ نے پھر حضرت ابوبکر پھر عمر پھر عثمان رضی اللہ عنہم نے پتھر اٹھایا اور حضورﷺ نے فرمایا عائشہ! یہ میرے بعد خلفاء ہوں گے (کیا یہ اہل سنت کا عقیدہ نہیں؟) عثمان رضی اللہ عنہ کا جنتی ہونا، فتنہ واختلاف میں ان کا حق پر ہونا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھنے والوں اور خلافت چھوڑنے کا کہنے والوں کا منافقین ہونا، حضورﷺ کا ان سے خوش ہوکر دنیا سے جانا، پھر ان کی شہادت اور اس کے بعض اسباب بیان کئے، اسی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بزبان علی رضی اللہ عنہ داماد نبی ہونا، آخر میں پھر جنتی ہونا بیان کیا، پھر مناقب امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا عنوان دیا، ان کے والدین کے حالات، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مناقب، حضورﷺ کا غدیر خم کے موقع پر **من کنت مولاہ فعلی مولاہ** فرمانا، اہل بیت کی عظمت (جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کا اہل بیت میں شامل ہونا ثابت ہے) ان کا اسلام لانا، مزید مناقب، پھر

جنگ جمل وصفین میں ان کا حق کے زیادہ قریب ہونا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا کہنے کی وعید، روافض جو حب علی میں بڑھے، خوارج جو بغض علی میں بڑھ گئے ان کے خلاف حضورﷺ کا ارشاد کہ یہ دونوں ہلاک ہوں گے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بعض خصوصیات، ان سے محبت لازم ہونا، ان کا جنتی شہید ہونا، اہل فتن سے قتال، ان کے قاتل کا اشقیٰ ہونا، میرے بعد امت آپ سے عہد شکنی کرے گی، شہادت، خلافت تیس سال ہونا، شیعہ کے عقیدہ رجعت وغیرہ کا رد، وغیرہ، یہ سب امام حاکم نے مستدرک میں بیان کیا ہے، کیا اس کے بعد کہا جاسکتا ہے کہ وہ بایں معنیٰ شیعہ تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلفاء ثلاثہ یا ان میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے؟ جب مستدرک میں ان کا ظاہر یہ ہے تو باطن میں شیعہ کیسے کہے جاسکتے ہیں؟ قاضی طاہر علی صاحب کے ذہن میں ابن طاہر سے منقول یہ بات بیٹھ گئی کہ جی وہ باطن میں شیعہ تھے، ظاہر میں سنی ہونا ظاہر کرتے تھے، سوال یہ ہے کہ کیا ابواسماعیل یا ابن طاہر علیم بذات الصدور بن گئے تھے؟ کیا قاضی صاحب ان کو اسی صفت سے موصوف مان چکے ہیں کہ جی انہوں نے جو کہہ دیا کہ باطن میں شیعہ تھے تو واقعی شیعہ تھے؟ امام عبدالوہاب سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

ثم انیٰ لہ اطلاع علی باطن الحاکم حتی یقضی بانہ کان یتعصب للشیعۃ باطناً(طبقات الشافعیہ الکبریٰ ۴/ ۱۶۴)

پھر ابن طاہر کو امام حاکم کے باطن پر کہاں سے اطلاع ہوگئی کہ فیصلہ دیتا ہے کہ امام حاکم باطن میں متعصب شیعہ تھے،

لہٰذا قاضی صاحب دماغ میں گھسے ہوئے شیطانی وساوس کو دور کریں، دورنہ ہوں تو ادھر توجہ نہ کریں کہ یہی وساوس کا علاج ہے،

امام حاکم کی بیان کی ہوئی بعض حدیثوں کی تحقیق:

قاضی طاہر علی صاحب بعض روایات کی بناء پر بھی امام حاکم کو شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کا ذکر بھی ضروری ہے، اور کچھ نہیں تو علمی فائدہ تو ضرور حاصل ہوگا،

حدیث طیر:

ایک حدیث طیر ہے جس کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کو صحیح ماننے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شیخین سے افضل ہونا لازم آتا ہے، لہٰذا ہم حدیث طیر کا انکار کرتے ہیں تا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شیخین پر افضلیت ثابت نہ

ہوجائے، **لاحول ولاقوۃ الاباللہ** ،حدیث طیر کا مضمون یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی خدمت میں بھونے ہوئے پرندہ کا گوشت لایا گیا تو آپ نے دعا کی اے اللہ جومخلوق میں سے تجھے بہت محبوب ہوایسا شخص میرے پاس لے آ، وہ میرے ساتھ یہ پرندہ کھائے ،۔۔۔تو حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔۔۔الخ (مستدرک ۳/۳۴۳،۳۴۴)

سوال یہ ہے کہ اس حدیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے افضل ہونا کیسے ثابت ہوتا ہے؟ صرف اس سے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ **احب الخلق الی اللہ** ہوئے ،اور خلق میں حضرات شیخین بھی ہیں تو شیخین سے بھی احب (زیادہ محبوب) ہوئے لہٰذا افضل ہوگئے؟ ہرگز نہیں، حدیث کی ایسی تاویل کرنی چاہیئے جس سے دوسری نصوص کے معارض نہ رہے، اپنی عقل سے کچھ سمجھ کر حدیث کودوسری حدیث سے معارض ٹھہرالیا یہ تو اپنی عقل کومعیار بنانا ہے، ہماری ناقص عقل ہرگز معیار نہیں ہے، تو اب تاویل کیا ہوسکتی ہے؟

علامہ سید علی بن سلیمان شاذلی رحمہ اللہ حاشیہ ترمذی **نفع قوت المغتذی** میں اور ملا علی قاری مرقات میں امام تورپشتی سے نقل فرماتے ہیں

قال التورپشتی باحب خلقک ای من ھومن احب خلقک الیک فیشارکۂ غیرہ وھم المفضلون باجماع الامۃ فھو کقولہٖ عمرُافضل الناس واعقلھم ای من افضلھم واعقلھم ومماییین لک ان حملہ علی العموم ممنوع انہ ﷺ من جملۃ خلق اللہ ولایجوزان یکون احب الیہ منہ فیرادبہٖ احب خلقہٖ من قرابتہٖ وقدکان ﷺ یطلق القول ویریدتقییدہٗ ویعم بہٖ ویریدتخصیصہ فیعرفہ ذوالفھم بالنظرلحال اووقت اوامرھوفیہ (حواشی ترمذی ۲/۲۱۵ طبع فاروقی کتب خانہ ملتان، مرقات ۱۱/۲۵۰ طبع مکتبہ رشیدیہ)

امام تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں [**باحب خلقک**] کا معنی ہے [**مَن ھومِن احب خلقک**] جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہو یعنی لوگوں میں سے تیرے بہت محبوب بندوں میں سے ایک ہو، اب **احب الخلق** میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوسرے بھی شریک ہوں گے یعنی وہ جن کو باجماع امت فضیلت حاصل ہے، تو یہ فرمان نبوی ایسے ہے جیسے آدمی کا قول [**عمر افضل الناس واعقلھم**] عمر سب لوگوں سے افضل اور سب سے زیادہ عقل والا ہے یعنی سب سے افضل اور سب سے سمجھدار (دوسرے جو لوگ ہیں ان) لوگوں میں سے ایک ہے، اور جو بات

تیرے سامنے یہ واضح کرے گی کہ اس کو عموم پر محمول کرنا ممنوع ہے یہ ہے کہ حضور ﷺ خود بھی تو مخلوق میں سے ہیں ،اور یہ درست نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ کو حضور ﷺ سے زیادہ محبوب ہوں ،لہٰذا اس سے حضور ﷺ کے رشتہ داروں میں سے اللہ تعالی کو زیادہ محبوب شخص مراد ہوگا ،اور حضور ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ مطلق بات بولتے اور مراد آپ کی مقید کرنا ہوتا اور عام بات بولتے اور مراد تخصیص ہوتی تھی جس کو سمجھ والا حالت یا وقت یا صورت جس میں آپ ہوتے دیکھ کر سمجھ جاتا تھا ،

دوسری تاویل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اسم تفضیل قرآن مجید میں اور احادیث میں بارہا اسم فاعل اور اسم مفعول کے معنی میں استعمال ہوا ہے ،مثلاً **ھو اعلم بکم اذانشأکم من الارض و اذانتم اجنۃٌ فی بطون امھاتکم** اللہ تعالیٰ تم کو زیادہ جانتا تھا جب تم کو پیدا کیا زمین سے اور جب تم ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے (تب بھی زیادہ جانتا تھا) یہاں **اعلم** اسم تفضیل ہے جیسے حدیث طیر میں **اَحَبِّ** اسم تفضیل ہے ،اسم تفضیل میں دوسرے کی بہ نسبت زیادتی کا معنی ہوتا ہے ،تو آیت کا مطلب یہ ہوگا تمہاری زمین سے پیدائش کے وقت اور ماؤں کے پیٹوں میں رہائش کے وقت اللہ تعالی تمہیں دوسروں سے زیادہ جانتا تھا یعنی دوسرے بھی کچھ جانتے ہیں مگر اللہ تعالی کے علم سے کم اور اللہ جانتا تھا دوسروں کے علم سے زیادہ ،حالاں کہ اُس وقت اللہ تعالی کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا ،تو آیت میں **اَعْلَمُ** بمعنی **عَالِمٌ** ہے ،ایسے ہی حدیث طیر میں اسم تفضیل **اَحَبُّ** اپنے معنی میں نہیں ہے ،کہ مطلب یہ ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دوسرے سب کے مقابلہ میں اللہ تعالی کو زیادہ محبوب ہیں ،اور دوسرے محبوب تو ہیں مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کم ، بلکہ **اَحَبُّ** بمعنی اسم مفعول ہے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالی کو بہت محبوب ہیں لیکن دوسروں کے مقابلہ میں نہیں بلکہ اپنی ذات کے اعتبار سے ،یعنی دوسرے بھی محبوب ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی محبوب ہیں گو حضرت ابوبکر وعمر وغیرہم رضی اللہ عنہم اُن سے زیادہ محبوب اور افضل ہوں (**ھٰذاالتوجیہ من عندی ملھَم من اللہ**)

لیجیئے اس حدیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شیخین پر تقدیم کا مفہوم ہی ختم ہوگیا ،تو اگر کوئی اس حدیث کو صحیح کہہ دے وہ شیعہ بمعنی شیخین رضی اللہ عنہما پر علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دینے والا کیوں ٹھہرے گا ؟

اب رہا یہ اشکال کہ خود امام حاکم پہلے کہتے تھے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ،اگر صحیح ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی افضل نہ ہو ،حالاں کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ان سے افضل ہیں لہٰذا یہ حدیث صحیح نہیں ،تو حدیث کا یہی مفہوم (**تفضیل علی علی الشیخین**)امام حاکم نے سمجھا ،بعد میں ان کی رائے بدلی (اور سمجھے کہ حضرت علی شیخین سے

افضل ہیں، رضی اللہ عنہم) تو حدیث طیر کو مستدرک میں ذکر کر دیا (تو حاکم شیعہ بمعنی شیخین رضی اللہ عنہما پر علی رضی اللہ عنہ کو فضلیت دینے والا ہوا)

جواب یہ ہے کہ امام ذہبی نے جو رائے اور اس کی تبدیلی ذکر کی ہے، تو اول تو امام ذہبی کو ان کی رائے اور رائے کی تبدیلی یقینی معلوم نہیں ہے، محض اندازہ اور گمان ہے کیوں کہ ذہبی تاریخ الاسلام (ج ۲۸ ص ۱۲۷) میں لفظ بولتے ہیں **فلعله تغیر رایه** 'شاید ان کی رائے تبدیل ہوگئی، تو یہ محض گمان ہوا اور کیا محض گمان سے کسی پر حکم لگ سکتا ہے؟ یہ تو ان **یتبعون الاالظن وان الظن لایغنی من الحق شیئا** کا مصداق ہوا، پھر اگر بالفرض گمان صحیح ہو تو اس سے مراد یہ رائے نہیں کہ شیخین رضی اللہ عنہما حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں بلکہ اس سے مراد حدیث طیر کی صحت وضعف کی رائے ہے یعنی پہلے اس حدیث کی سند صحیح نہیں سمجھتے تھے پھر رائے تبدیل ہوگئی اور حدیث کو صحیح سمجھے تو مستدرک میں درج کر دیا حالاں کہ پہلی رائے درست تھی، اور اگر رائے سے تفضیل علی والی رائے بھی ہو تو بھی کیا بغیر ثبوت محض گمان سے تشیع کا الزام ثابت ہوسکتا ہے جب کہ امام حاکم کا ظاہر اس کے بالکل خلاف ہے ؟

حدیث طیر کی پوزیشن:

پھر حدیث طیر کی حیثیت کیا ہے، آیا ثابت ہے یا نہ؟ اس حدیث کو کئی محدثین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے ، امام ترمذی نے سنن میں، طبرانی نے معجم اوسط وکبیر میں، نسائی نے سنن کبریٰ وخصائص علی میں، امام ابن شاہین نے شرح مذاھب اھل السنۃ میں، امام ابونعیم اصفہانی نے فضائل الخلفاء الراشدین اور حلیۃ الاولیاء میں، امام بخاری نے تاریخ کبیر میں درج کی ہے، تو اگر امام حاکم کا درج کرنا جرم ہے تو یہی جرم دوسرے محدثین کا ہے، اور اگر یہ حدیث ذکر کرنے سے امام حاکم شیعہ بنتے اور ثابت ہوتے ہیں تو دوسرے محدثین بھی شیعہ ثابت ہوتے ہیں، اور اگر دوسرے محدثین نے جرم نہیں کیا تو امام حاکم نے بھی جرم نہیں کیا،

امام صلاح الدین ابوسعید خلیل بن کیکلدی بن عبداللہ دمشقی علائی (م ۷۶۱ھ) نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں **مصابیح السنة** میں مذکور بعض احادیث پر ہونے والے طعن کے جوابات دیئے ہیں، چوں کہ **مصابیح السنة** میں حدیث طیر بھی ہے (۴۵۱/۲ رقم ۲۶۸۵) اس لئے اس پر بھی بحث فرمائی، فرماتے ہیں

وله طرق کثیرة غالبهاواه ،وفی بعضهامایعتبر به فیقوی احدالسندین بالآخر،وامثل ماوردبه طریقان ،احدهماماروا ه الترمذی من جهة عبیدالله بن موسیٰ احدالمتفق علیهم عن عیسی بن

عمرو قدوثقه يحيى بن معين وغيره ولم يضعفه احد عن اسماعيل بن عبدالرحمن السدى وقداحتج به مسلم والناس عن انس رضى الله عنه قال كان عندالنبى ﷺ طيرفقال اللهم ائتنى باحب خلقك يأكل معى من هٰذاالطيرفجاء على رضى الله عنه فاكل ،وقال الترمذى هٰذاحديث غريب لانعرفهٗ من حديث السدى الامن هٰذاالوجه ،والسدى اسمهٗ اسماعيل بن عبدالرحمن وقدسمع من انس ورأى الحسن بن على رضى الله عنهما،ورواه النسائى فى خصائص على رضى الله عنه من حديث مسهربن عبدالملك عن عيسىٰ بن عمرومسهرقدوثقه ابن حبان وغيره ،وقال فيه النسائى ليس بالقوى ،والطريق الثانى رواه الحاكم فى المستدرك من رواية محمدبن احمدبن عياض انبأابى ثنايحيى بن حسان عن سليمان بن بلال عن يحيى بن سعيدعن انس رضى الله عنه اطول مماتقدم ،ورجال هٰذاالسند كلهم معروفون سوى احمدبن عياض فلم ارمن ذكره بتوثيق ولاجرح ،وذكرالحاكم اى لهٗ عن انس رواه كثيرون وانه ايضاًمن حديث على وابى سعيدوسفينة رضى الله عنه بطرق صحيحة ولم يسبق اسانيدها، وقدانتقد عليه ذالك ،وفى مقابلتهٖ ذكرالحافظ محمدبن طاهروابوالفرج بن الجوزى ان جميع طرق هٰذاالحديث ضعيفة واهية وكل من الطرفين (علماء) والحق انه ربماينتهى الى درجة الحسن اويكون ضعيفاًيحتمل ضعفهٗ واماان ينتهى الى كونه موضوعاًفى جميع طرقه فلا (النقدالصحيح لمااعترض من احاديث المصابيح /۵۰)

اورحدیث طیر کی بہت سی سندیں ہیں اکثر واہی ہیں ،اوربعض میں ایسی بات ہے جس سے اعتبار کیا جاسکتا ہے تو ایک سنددوسری کے ذریعہ قوی ہوجائے گی ،اوراس حدیث کی سب سے اچھی دوسندیں ہیں،ایک وہ ہے جوترمذی نے عبیداللہ بن موسی کے طریق سے روایت کی ہے عبیداللہ ان راویوں میں سے ایک ہے جس پر اتفاق کیا گیا ہے ،عبیداللہ نے عیسی بن عمر سے روایت کی اورعیسی کو یحیی بن معین وغیرہ نے ثقہ کہا،اورکسی نے ضعیف نہیں قراردیا،عیسی نے اسماعیل بن عبدالرحمٰن سدی سے اورسدی سے امام مسلم اوردوسرے محدثین نے حجت پکڑی ہے،سدی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا نبی کریم ﷺ کے پاس پرندے تھے،تو دعا کی اے اللہ! میرے پاس ایسا آدمی لے آجو تجھے لوگوں میں سے بہت محبوب ہوجومیرے ساتھ یہ پرندہ کھائے ،توحضرت علی رضی اللہ عنہ

حاضر ہوئے اور کھایا، امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے ہم کو سدی کی روایت سے صرف اسی سند سے معلوم ہوئی، سدی کا نام اسماعیل بن عبدالرحمٰن ہے، اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث کا سماع کیا ہے، اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے، اور اس کو امام نسائی نے خصائص علی رضی اللہ عنہ میں مسہر بن عبدالملک سے **عن عیسی بن عمر** روایت کیا ہے، اور مسہر کو ابن حبان وغیرہ نے ثقہ کہا ہے، اور نسائی نے فرمایا کہ قوی نہیں ہے ، اور دوسری سند وہ ہے جس کو امام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے کہ محمد بن احمد بن عیاض نے کہا مجھے میرے والد نے بیان کی احمد نے کہا ہمیں یحیی بن حسان نے سلیمان بن بلال سے انہوں نے یحیی بن سعید سے انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے گذشتہ روایت سے لمبی روایت بیان کی ، اور اس روایت کے سب راوی مشہور ہیں سوائے احمد بن عیاض کے ، اور احمد کے متعلق مجھے معلوم نہیں کہ کسی نے جرح یا تعدیل کی صورت میں ان کا ذکر کیا ہو، اور امام حاکم نے ذکر کیا کہ اس روایت کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بہت سے راویوں نے روایت کیا ہے، اور یہ کہ یہ روایت حضرت علی ، ابوسعید خدری اور سفینہ رضی اللہ عنہم سے بھی صحیح سندوں سے مروی ہے، لیکن حاکم نے ان کی سندیں نہیں بیان کیں اور اس کلام پر حاکم پر تنقید کی گئی ہے، اور ان کے مقابلہ میں حافظ محمد بن طاہر اور ابوالفرج ابن جوزی نے کہا کہ اس روایت کی سب سندیں ضعیف اور واہی ہیں، اور ہر طرف علماء ہیں، اور حق یہ ہے کہ یہ روایت کبھی درجہ حسن تک پہنچ سکتی ہے، یا ایسی ضعیف ہوسکتی ہے جسکا ضعف برداشت ہوسکتا ہے، لیکن موضوع ہونے تک پہنچ سکے ایسا نہیں ہے،

علامہ ذہبی بھی فرماتے ہیں

واما حديث الطير فله طرق كثيرة جداًقدافردتهابمصنف ومجموعهاهويوجب ان يكون الحديث له اصل (تذكرة الحفاظ ۱۶۴/۳)

رہی حدیث طیر! تو اس کی بہت ہی زیادہ سندیں ہیں جن کو میں نے مستقل کتاب میں جمع کیا ہے، ان سندوں کا مجموعہ ثابت کرتا ہے کہ اس حدیث کی اصل ہو،

حدیث طیر کی بعض سندیں:

اس حدیث کی سندیں بہت ہیں،

پہلی سند:

(۱) مسند ابویعلی کی جو روایت ہے، اس میں امام ابویعلی (۱) حسن بن حماد وراق کوفی سے روایت کرتے ہیں ابن ابی حاتم، سراج کوفی حماد کو ثقہ کہتے ہیں، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا،

(۲) حسن بن حماد مسہر بن عبدالملک سے روایت کرتے ہیں مسند ابویعلی میں ہے کہ مسہر ثقہ ہے، ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے، حسن بن علی خلال اس کی اچھی تعریف کرتے تھے (تہذیب) حسن بن حماد ضبی نے کہا ثقہ ہے (میزان الاعتدال ۱۱۳/۴) ابن حجر کہتے ہیں لین الحدیث ہے (حدیث میں ڈھیلا ہے، تقریب)

(۳) مسہر عیسی بن عمر سے روایت کرتا ہے، یہ عیسی بن عمر اسدی ہمدانی ہے، امام احمد لا بأس بہ، ابن معین اور نسائی اور خطیب اور ابن نمیر ثقہ کہتے ہیں، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا، عجلی ثقہ اور صالح کہتے ہیں، ابوحاتم لا بأس بہ اور ثقہ کہتے ہیں، ابوبکر بزار لا بأس بہ کہتے ہیں (تہذیب)

(۴) عیسی بن عمر اسماعیل بن عبدالرحمٰن بن ابی کریمہ قرشی سدی کبیر سے روایت کرتے ہیں، حضرت ابن عمر، حضرت حسن، ابوہریرہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ہے، انس وابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے، یحیی بن سعید قطان کہتے ہیں، لا بأس بہ یعنی ثقہ ہے، جس نے اس کا ذکر کیا خیر کے ساتھ کیا، اور کسی نے اس کو ترک نہیں کیا، امام احمد ثقہ کہتے ہیں، نسائی صالح یا لا بأس بہ (یعنی ثقہ) کہتے ہیں، ابن عدی کہتے ہیں صحیح حدیث والا سچا لا بأس بہ ہے، عجلی ثقہ تفسیر کا عالم کہتے ہیں، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے (تہذیب) اور سدی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، تو یہ سند حسن درجہ کی ہے،

امام ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

رجال ابی یعلیٰ ثقات وفی بعضهم ضعف (مجمع الزوائد ۱۶۸/۹)

ابویعلی کی سند کے راوی ثقہ ہیں بعض میں ضعف ہے،

سنن نسائی کبری اور خصائص علی للنسائی کی سند بھی یہی ہے اس میں امام نسائی زکریا بن یحیی سے روایت کرتے ہیں، یہ زکریا بن یحیی السجزی دمشقی ہیں جو نسائی کے استاذ ہیں، امام نسائی اس کو ثقہ کہتے ہیں، حافظ عبدالغنی ثقہ وحافظ کہتے ہیں (تاریخ الاسلام ذہبی ۱۸۰/۲۱) عبدالحی بن احمد بن محمد عکری حنبلی اس کو الحافظ اور ثقہ کہتے ہیں (شذرات الذھب ۳۶۵/۳) امام نسائی نے اپنے اساتذہ میں صرف یہی ایک زکریا بن یحیی ذکر کئے اور فرمایا خیاط السنۃ اور ثقہ ہے **(مشیخة النسائی ۸۷/۱)**

دوسری سند:

امام طبرانی رحمہ اللہ کی معجم اوسط میں ایک سند ہے جس میں امام طبرانی احمد بن الجعد سے اور وہ سلمہ بن شبیب سے وہ امام عبدالرزاق سے وہ امام اوزاعی سے وہ یحیی بن ابی کثیر سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، اس سند کے راوی کیسے ہیں؟

یحیی بن ابی کثیر ثقہ صحاح ستہ کا راوی ہے ،امام اوزاعی عبدالرحمٰن بن عمرو ثقہ فقیہ صحاح ستہ کا راوی ہے، امام عبدالرزاق بن ہمام مصنِّف کے مصنف ثقہ عظیم امام صحاح ستہ کے راوی ہیں، سلمہ بن شبیب ثقہ مسلم وسنن اربعہ کے راوی ہیں، امام طبرانی کے استاذ ابوبکر احمد بن عبدالعزیز بن الجعد جوہری وشاء بغدادی بصری کے متعلق امام دارقطنی فرماتے ہیں لابأس بہ ہے (یعنی ثقہ ہے) امام ذہبی فرماتے ہیں الشیخ الثقة العالم ہیں (**ارشادالقاصی والدانی الی تراجم شیوخ الطبرانی** /۹۸) یہ تو بالکل صحیح سند ہے،

تیسری سند:

ترمذی کی جوسند ہے ،اس میں حضرت انس سے روایت کرنے والا (۱) اسماعیل سدی کبیر ہے، جس کا ذکر ہو چکا ہے، (۲) اسماعیل سے روایت کرنے والا عیسی بن عمر ہے، اس کا ذکر بھی ہو گیا،

(۳) عیسی بن عمر سے روایت کرنے والا عبیداللہ بن موسیٰ عبسی کوفی ہے، یہ امام بخاری کا استاذ ہے، ذہبی فرماتے ہیں بذات خود ثقہ ہے لیکن جلا بھنا شیعہ ہے، ابوحاتم کہتے ہیں سچا، ثقہ حسن الحدیث راوی ہے ہاں ابونعیم اس سے زیادہ مضبوط ہے، ابن معین نے اس کو ثقہ کہا ہے، عجلی فرماتے ہیں ثقہ ہے قرآن کا علم رکھنے والا ہے علم قرآن میں سردار ہے، ابوداؤد کہتے ہیں جلا بھنا شیعہ ہے (مگر) اس کی حدیث درست ہوتی ہے،

(۴) عبیداللہ سے سفیان بن وکیع روایت کرتے ہیں، سفیان بن وکیع بن جراح رواسی کوفی پر جرح ہوئی ہے، ابن حجر کہتے ہیں سچا راوی ہے لیکن اس کا جو وراق تھا اس کی وجہ سے آزمائش میں پڑا کہ وراق نے اس کے ذمہ وہ لگا دیا جو اس کی حدیثیں نہ تھیں تو اس کو نصیحت کی گئی لیکن نہ مانا تو اسکی حدیث ساقط ہو گئی، ابن حبان نے بھی کہا شیخ فاضل سچا تھا لیکن وراق کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا ہوا، امام ترمذی نے اس کی حدیث کو حسن کہا ہے (کتاب الدعوات ،ترمذی) تو اس روایت کی یہ سند کمزور ہے،

امام ہیثمی طبرانی سے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں

رواہ البزار والطبرانی باختصار ورجال الطبرانی رجال الصحیح غیر فطر بن خلیفة وھو ثقة (مجمع الزوائد ۹/۱٦۹)

اس کو بزار اور طبرانی نے اختصار کے ساتھ روایت کیا، اور طبرانی کے راوی ہیں صحیح کے راوی ہیں سوائے فطر بن خلیفه کے اور فطر ثقہ ہے،

اگر مان لیا جائے کہ اس روایت کی سب سندیں ضعیف ہیں، تو محدثین کا اصول ہے کہ کسی روایت کی متعدد سندیں ہوں تو وہ سندیں ایک دوسرے کو قوی کرتی ہیں، ممکن ہے کہ امام حاکم رحمہ اللہ نے مجموعہ اسناد کو دیکھ کر اس کو صحیح سمجھا ہو، پھر اگر صحیح نہ مانی جائے تو کم از کم ہر طرح روایت ضعیف ہی ہوئی موضوع تو نہیں ہو سکتی، اور ضعیف حدیث فضائل میں لی جاتی ہے، اور چوں کہ حدیث کی صحیح توجیہ بیان کر دی گئی ہے اس لئے یہ حدیث شیعہ نظریہ کی تائید نہیں کرتی،

ایک اور حدیث کی وجہ سے امام حاکم پر رافضی ہونے کا طعن:

قاضی طاہر علی صاحب نے ایک اور حدیث کی وجہ سے بھی امام حاکم کو رافضی ثابت کرنا چاہا کہتے ہیں

حدیث **افضل من اعمال امتی الی یوم القیامة** اور حدیث طیر کی رو سے اب رافضی کے لقب کے بھی بجا طور پر مستحق ہو گئے ہیں (علمی محاکمہ ۱/۴۵۷)

حدیث طیر پر بحث ہو چکی ہے،

حدیث مبارزت علی جس سے امام حاکم رافضی بنائے گئے:

غزوہ خندق کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عبدود کو سخت حملہ سے مار ڈالا تو مستدرک میں روایت ہے کہ اس کارنامہ پر حضورﷺ نے ارشاد فرمایا

لَمبارزة علی بن ابی طالب لعمرو بن عبدود یوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامة (مستدرک ۳/۳۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خندق کے دن عمرو بن عبدود سے مقابلہ تا قیامت میری امت کے اعمال سے افضل ہے،

اول: تو امام حاکم نے اس روایت کو بیان کر کے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا، علامہ ابن حجر نے **اتحاف المھرة (۱۳/۳۳۱ رقم ۱٦۷۹۸)** میں فرمایا کہ یہ روایت من گھڑت ہے، ذہبی نے تلخیص المستدرک میں اس کے تحت

لفظ فرمائے

قبح الله رافضیاًافتراه، اللہ اس رافضی کا برا کرے جس نے اس کو گھڑا ہے،

امام ذہبی کے اِنہی لفظوں کا سہارا قاضی صاحب نے لیا حالاں کہ امام ذہبی **رافضیاً** کہہ کر امام حاکم کو رافضی نہیں کہہ رہے کیوں کہ ذہبی خود امام حاکم کے رافضی ہونے کی نفی کر چکے ہیں (**تذکرۃ الحفاظ ۱۶۶/۳** اور تذکرۃ الحفاظ تلخیص المستدرک کے بعد لکھی ہے) بلکہ جس رافضی نے اس حدیث کو گھڑا ہے اسی رافضی کو بددعا دے رہے ہیں اس لئے قاضی صاحب کا اس کو سہارا بنانا غلط اور **توجیه القول بمالایرضیٰ به القائل** کے قبیل سے ہے،

دوم: حاکم نے محض ذکر کیا ہے اور محض ذکر جرم ہے تو امام دیلمی نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے (**الفردوس بمأثورالخطاب ،باب اللام ۴۵۵/۳ رقم ۵۴۰۶**) اور خطیب بغدادی نے اپنی سند سے (جو حاکم کی سند سے الگ ہے) تاریخ بغداد (۵۴۶/۱۴) میں ذکر کیا تو کیا امام دیلمی اور خطیب بغدادی بھی رافضی ٹھہرے؟

سوم: اگر روایت کی کچھ حیثیت ہو تو یہاں بھی مغالطہ اسم تفضیل کے صیغہ کی وجہ سے ہو رہا ہے،اور اس کی توجیہ حدیث طیر میں مذکور توجیہ کی طرح ہوگی ،یعنی امت قیامت تک جو افضل اعمال کرے گی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ بھی ان افضل اعمال میں شامل ہے،نہ یہ کہ سب عمل کرنے والوں کے اعمال سے بڑھیا عمل ہے،تو وہ اس عمل کی وجہ سے خلفاء ثلاثہ سے افضل نہ ہوئے،

حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے انحراف:

اب رہی یہ بات کہ امام حاکم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گھرانے والوں سے منحرف ہیں لہٰذا رافضی ہیں ،تو اس بارے میں ایک حوالہ ہمیں یہ ملا کہ امام ذہبی فرماتے ہیں

هو معظم للشیخین بیقین ولذی النورین ،وانماتکلم فی معاویة فأوذی (سیراعلام النبلاء ۵۷۶/۱۲)

امام حاکم حضرت ابوبکر وعمر اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم کی تعظیم واحترام کرتے ہیں،بس انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بات کی تو ان کو ستایا گیا،

اب وہ کیا بات کی؟ اس کا ذکر قاضی صاحب کو ملے تو نقل کریں،آخر مطلق بات کرنے سے نہ آدمی رافضی بنتا ہے نہ شیعہ،ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے یہ کہا ہوگا اور یہی کہتے ہوں گے اور کہنے پر مُصر ہوں گے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق

پر تھے اور ان کے مقابلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطاء پر تھے، یہ بول تو آدمی کو رافضی نہیں بناتا بلکہ یہ تو اہل حق اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے، مگر چوں کہ یہ مسلک قاضی طاہر علی صاحب کا نہیں ہے اس لئے قاضی صاحب اس کو لے کر امام حاکم کو رافضی بنا دینے پر مُصر ہیں، اس پر بحث اگلے صفحات پر ہوگی انشاء اللہ، قاضی صاحب نے امام ذہبی وغیرہ سے جو حضرت معاویہ اور ان کے گھرانے سے انحراف کا حوالہ ذکر کیا، اُس انحراف سے بھی امام حاکم کو رافضی بناتے ہیں، کہتے ہیں کہ لغت میں انحراف کا معنی یہ ہے کہ برگشتگی، روگردانی، اعراض، عدول حکم، نافرمانی، انکار، سرکشی، بغاوت، مخالفت، یہ لکھ کر کہتے ہیں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم حضرت معاویہ سے اعلانیہ و برملا برأت کا اظہار کرتے تھے، اور یہ انحراف و مخالفت بھی انتہائی درجہ کی تھی، امام ذہبی کے قول میں **کان منحرفاً غالیاً** کے الفاظ ہیں جو شدید درجہ کا بغض ظاہر کرتے ہیں (علمی محاکمہ ص ۴۷۳)

انحراف کا یہ معنی اردو لغت سے نکال کر بس کہہ دیا کہ جی دیکھو جب لغت یہ معنی بتا رہی ہے تو ظاہر ہوا کہ امام حاکم کا انحراف یہی تھا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر سبّ اور تبرا کرتے تھے (اور ظاہر ہے کہ صحابہ پر تبرا رافضی کرتے ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ حاکم رافضی تھے) قاضی صاحب کا لغت سے انحراف کا معنی متعین کر کے امام حاکم کو رافضی بنانا ایسا ہوگا جیسے شیعہ سبّ کا لفظ حدیث سے نکال کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ناصبی بناتے ہیں، کہتے ہیں کہ مسلم شریف وغیرہ میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا

مامنعک ان تسُبَّ اباالتراب الحدیث (مسلم ۲/۲۷۸)

آپ کو کس چیز نے روکا ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سَبّ نہیں کرتے،

ظاہر ہے کہ استفہام تقریری ہے یعنی آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سَبّ کرو، تو جو شخص دوسرے کو کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سَبّ کرو وہ خود بھی سَبّ کرتا تھا، اور سَبّ کا معنی لغت میں برا بھلا کہنا، گالی دینا ہے، معلوم ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی دیتے اور دینے کا حکم کرتے تو وہ ناصبی ہوئے، **لاحول ولاقوۃ الاباللہ** ؟ تو کیا اس طرح لغت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ناصبی ثابت کرنا درست ہوگا ؟ ہرگز نہیں، اسی طرح لغت سے اتنے بڑے محدث کو رافضی ثابت کرنا بھی درست نہیں ہوگا، بلکہ صحیح ثبوت سے ان کے انحراف کو متعین کرنا ضروری ہے، عربی لغت میں انحراف کا معنی ایک طرف جھکاؤ اور میلان ہے، ان کا زیادہ جھکاؤ حضرت علی رضی اللہ

عنہ کی طرف ہوگا، بہر حال مستدرک حاکم سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اور ان کے لشکر کو خطاء پر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان جنگوں میں صواب پر ہونا ثابت کرتے ہیں، بس یہی نظریہ اُس وقت کے اُمویوں کو برداشت نہ تھا تو انہوں نے امام حاکم کا رافضی ہونا مشہور کیا، قاضی صاحب نے ایک حکایت لکھی ہے

عبدالرحمٰن (صحیح ہے ابوعبدالرحمٰن) سلمی امام حاکم کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے درخواست کی کہ حضرت !لوگوں کا بس یہی مطالبہ ہے کہ اگر آپ باہر تشریف لاکر (آگے قاضی جی کی افسانہ نویسی کا نظارہ ہے) اپنے اس تبرا شریف سے معذرت کر دیں اور اس شخص (یعنی حضرت معاویہ) کی شان میں کوئی حدیث بیان کر دیں تو اس محصوری کی تکلیف سے راحت پالیں ،لیکن ۔۔۔۔۔۔دومرتبہ ببانگ دہل فرمایا،نہیں ایسانہیں ہوسکتا، میرے دل میں اس شخص (معاویہ) کی محبت نہیں آرہی ، (آگے قاضی جی کی تقریر ہے اصل کتابوں میں نہیں ہے) یہ مخطی ءہے اس نے مولا علی کے خلاف جنگ کی ۔۔۔۔(ساری تقریر نقل کرنے کی ضرورت نہیں ،اور وہ کسی کتاب کی عبارت کا ترجمہ نہیں قاضی جی کی مجلس وعظ ہے)(علمی محاکمہ ص ۴۷۴)

لیجیئے قاضی جی اپنی طرف سے کیسی بے اصول ترجمانی کرتے ہیں؟اور کیسے ترجمے کرتے ہیں، یہاں امام حاکم کے لفظ ہیں

لایجیء من قلبی ،لایجیء من قلبی ، اس کا ترجمہ کیا’’ میرے دل میں اس شخص (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کی محبت نہیں آرہی ،اور اسی ترجمہ پر ان کا دعوی ثابت ہورہا ہے،

اول: تو اس روایت کے بارے میں امام تاج الدین سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

والغالب علی ظنی ان ماعزی الی ابی عبدالرحمن السلمی کذب علیه ولم یبلغناان الحاکم ینال من معاویة ولایظن ذالک فیه وغایة ماقیل فیه الافراط فی ولاء علی کرم الله وجهٗ ومقام الحاکم عندنااجل من ذالک واماابن کرام فکان داعیة الی التجسیم لاینکراحد ذالک ثم ان هٰذه حکایة لایحکیهاالاهٰذاالذی یخالف الحاکم فی المعتقدفکیف یسع المرء بین یدی الله تعالیٰ ان یقبل قولهٗ فیهااو یعتمدعلی نقلهٖ (طبقات الشافعیه الکبریٰ للسبکی ۱۶۳/۴)

میرا غالب گمان یہ ہے کہ ابوعبدالرحمٰن سلمی کی طرف جو یہ حکایت منسوب ہوئی یہ ان پر جھوٹ ہے،اور ہم تک یہ

بات (صحیح) نہیں پہنچی کہ امام حاکم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا کہا ہو، اور نہ یہ بات ان کے حق میں گمان کی جاسکتی ہے، زیادہ سے زیادہ جوان کے بارے میں کہا جاسکتا ہے وہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کی محبت میں افراط ہے، اور امام حاکم کا مرتبہ ہمارے نزدیک ایسی بات سے بلند ہے (وہ نہیں کہہ سکتے) اور ابن کرام تو فرقہ مجسمہ کی طرف داعی تھا (جن کے لوگوں کا گروہ امام حاکم کو باہر نہ نکلنے دیتا اصل عقیدہ کا اختلاف تھا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لے کر بہانہ بنایا) اس کا کوئی بھی منکر نہیں، پھر یہ ایسی حکایت ہے جس کو ایسا شخص نقل کرتا ہے جو عقیدہ میں امام حاکم کا مخالف ہے تو آدمی کیلئے اللہ کے سامنے کیسے گنجائش ہوگی کہ ایسے کا قول اِس حکایت میں مان لے یا اس کی نقل پر اعتماد کرے،

دوم: اگر یہ حکایت صحیح ہو اور اس کا وہ مطلب ہو جو قاضی صاحب نکالتے ہیں، تو (بشرط ثبوت) علم اصول حدیث اور علم اسماء الرجال رکھنے والے امام ذہبی وغیرہ محدثین امام حاکم سے رفض کی نفی کیوں کرتے ہیں؟، اس پر قاضی جی کے پاس اِن محدثین پر حیرانگی کے سوا کچھ نہیں ہے،

سوم: **لایجیء من قلبی** کا یہ معنیٰ قاضی جی کے امام حاکم کے ساتھ بغض کو ظاہر کرتا ہے" میرے دل میں اس شخص کی محبت نہیں آسکتی "**لایجیءُ** کا صلہ **مِنْ** آیا اور **مِن** صلہ آنے سے اس کا ترجمہ نہ آنا نہیں ہوتا نہ نکلنا اور نہ ظاہر ہونا ہوتا ہے، **لایجیء** کی ضمیر فاعل کا مرجع قاضی جی نے محبت بنایا جس کا پہلے کچھ ذکر نہیں آیا، صحیح ترجمہ اس طرح بنے گا میرے دل سے وہ نہیں ظاہر ہوتا، یا نہیں نکلتا، کیا ظاہر نہیں ہوتا؟ یعنی جو مقصود اِن لوگوں کا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو صواب پر کہوں اس کا اظہار میرے دل سے نہیں ہوسکتا، اب اس میں کونسا تبرا ہے؟ خوامخواہ امام حاکم رحمہ اللہ کو رافضی بنا کے ہی چھوڑنا ہے تو بس دلیل ہو یا نہ کہہ دیں کہ وہ رافضی ہیں، کسی پر خوامخواہ الزام لگانے پر خدا تعالی کے ہاں جواب دہی کرنی ہوگی، سوچ لیجیئے روز قیامت کیا حجت پیش کریں گے؟

حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہٗ کی تحقیق:

امام حاکم کی شیعیت کے ثبوت میں ایک بات یہ بھی کی گئی کہ انہوں نے حدیث بیان کی ہے **من کنت مولاہ فعلی مولاہٗ**، گویا یہ حدیث صحیح ثابت نہیں، حالاں کہ یہ حدیث اصول حدیث کے مطابق خبر واحد ہی نہیں حدیث متواتر ہے جس کا انکار شدید تر گمراہی کہا جاتا ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ جیسے عظیم محقق فرماتے ہیں کہ جو حدیث دس سے اوپر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہو وہ متواتر ہوتی ہے (بیان القرآن ج ا ر) اور حدیث **من کنت مولاہٗ فعلی**

مـــولاہ بھی دس سے اوپر صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں، یہ حدیث (۱) حضرت جابر بن عبداللہ، (۲) ابوایوب انصاری، (۳) سعد بن ابی وقاص، (۴) ابوہریرہ، (۵) براء بن عازب، (۶) بریدہ (۷) ابوسریحہ یا زید بن ارقم (۸) ابن عباس (۹) خود حضرت علی (۱۰) عبداللہ بن عمر (۱۱) طلحہ (۱۲) حبشی بن جنادہ (۱۳) ابوسعید خدری (۱۴) ابوبسطام مولیٰ ابی اسامہ (۱۵) مالک بن الحویرث (۱۶) انس بن مالک (۱۷) عمر بن خطاب (۱۸) حبیب بن ابی ثابت (۱۹) عباس بن عبدالمطلب (۲۰) ذی مر (۲۱) عمارہ (۲۲) جریر (۲۳) جندع انصاری (۲۴) حذیفہ بن اسید وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے، امام احمد سے منقول ہے کہ یہ حدیث تیس صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے ، اس لئے علامہ محمد بن جعفر کتانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو متواتر شمار کیا ہے، اور فرمایا کہ علامہ عبدالرؤف مناوی نے علامہ سیوطی کی تیسیر اور شارح مواہب لدنیہ سے اس کا متواتر ہونا نقل کیا ہے، اور علامہ ابن حجر رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کو ترمذی، نسائی نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کی بہت زیادہ سندیں ہیں، ابن عقدہ نے ایک مستقل کتاب میں ان سندوں کو جمع کیا ہے، اور اس کی اکثر سندیں صحیح یا حسن ہیں (نظم المتناثر ۱۹۴/۱۹۵، رقم ۲۳۲) امام ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر ہے (تاریخ الاسلام ۳۳۸/۱۴) اس حدیث کی مختلف سندوں کو جمع کرنے کے لئے امام ذہبی رحمہ اللہ نے مستقل رسالہ بھی تحریر فرمایا ہے (**رسالة فی طرق من کنت مولاہ فعلی مولاہ**) علامہ محمد بن اسماعیل بن صلاح الحسنی الکحلانی (م ۱۱۸۲ھ) فرماتے ہیں ائمہ نے اس حدیث کو متواتر شمار کیا ہے (توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار ۲۱۹/۱، اصول الفقہ المسمی اجابۃ السائل شرح بغیۃ الآمل ۹۸/)

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی سند کے راوی مطلب بن زیاد اور عبداللہ بن محمد بن عقیل سچے راوی ہیں اور حضرت جابر صحابی ہیں رضی اللہ عنہ، یہ ثلاثی حدیث ہے، اس کو امام ذہبی حدیث حسن کہتے ہیں، اور حضرت ابن عباس و بریدہ رضی اللہ عنہم کی سند کے راوی فضل بن دکین، عبدالملک بن حمید ابن ابی غنیۃ، اور حکم بن عتیبہ کندی اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ ثقہ اور فقہاء صحاح ستہ کے راوی ہیں،

اور ترمذی میں ابوسریحہ یا زید بن ارقم رضی اللہ عنہما کی حدیث کے راوی محمد بن بشار، محمد بن جعفر، شعبہ، سلمہ بن کہیل ثقہ و صحاح ستہ کے راوی ہیں اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں (تقریب) یہ صرف تین سندوں کا حال ذکر کر دیا، جب یہ حدیث متواتر ہوئی تو متواتر حدیث کی سندوں پر بحث کی ضرورت نہیں ہے، یہ درست بات نہیں ہے بلکہ عاجزی کی دلیل بن سکتی ہے کہ جواب نہ بنے تو صحیح حدیث کو من گھڑت یا ضعیف ثابت کرنے پر زور صرف

کیا جائے، ہاں کسی طرح نصوص میں موافقت نہ رہے، اور صحیح توجیہ نہ بن سکے تو محقق اور راسخ فی العلم صاحب بصیرت کے لئے حدیث پر ایسی گفتگو کی گنجائش ہوسکتی ہے،

رہی یہ بات کہ شیعہ اس حدیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت بلافصل کی دلیل لیتے ہیں تو اس کا کیا جواب ہوگا؟ جواب آسان ہے کہ اس حدیث کے سیاق وسباق پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوجاتا ہے کہ اس حدیث میں حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے کی ترغیب ہے مولیٰ کا معنیٰ خلیفہ بلافصل نہیں ہے ورنہ نبی کریم ﷺ کس کے خلیفہ بلافصل ہیں **من کنت مولاہ** کے مطابق کیا نبی کریم ﷺ ہر مؤمن کے خلیفہ بلافصل ہیں کہ **فعلی مولاہ** سے ہر مؤمن علی کو خلیفہ بلافصل مانے؟ ہرگز نہیں بلکہ مولیٰ بمعنی محبوب (محبت کیا ہوا) تو حضور ﷺ جس کے محبوب ہیں حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس کے محبوب ہونے چاہیئں، اب اس میں کیا اشکال رہا اور شیعہ کے استدلال کی کیا گنجائش رہی؟

ایک بحث یہ رہ گئی کہ امام حاکم جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے والوں کو خطاء پر کہتے ہیں، اس بارے اہل سنت کا عقیدہ کیا ہے اور کیا امام حاکم اس سے رافضی ٹھہرتے ہیں اور کیا یہ بھی سَبّ میں داخل ہے؟ یہ بحث آگے مستقل عنوان میں ذکر ہوگی انشاءاللہ، اُسی سے حقیقت کا انکشاف ہوکر امام حاکم سے رافضیت کی تہمت صاف ہوجائے گی، انشاءاللہ ، ذرا انتظار فرمائیں،

آمدم برسر مطلب:

بات حدیث کلاب حوأب سے چلی تھی، مذکور بحث سے ظاہر ہوگیا کہ حدیث کلاب حوأب کی صحت کا مدار مستدرک حاکم کی روایت پر نہیں ہے، امام حاکم کچھ بھی ہوں حدیث کلاب حوأب کی متعدد سندیں ہیں اور بالکل صحیح ہیں،

حدیث کلاب حوأب کا مصداق کون؟

قاضی طاہر علی صاحب نے کہا کہ اگر بالفرض حدیث کلاب حوأب صحیح ہو، تو اس کا مصداق ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نہیں ہیں بلکہ ام زمل سلمی ہیں، لیکن عجیب بات تو یہ ہے کہ طبری کی جس روایت سے ام زمل کو مصداق بناتے ہیں، وہ روایت اس قابل نہیں کہ صحیح مانی جائے، یہ صاحب کمزور اخباری راویوں کی روایات لے رہے ہیں اور ثقہ راویوں کی روایات رد کررہے ہیں، بیشک روافض کی مخالفت بتقاضائے ایمان عین ایمان ہے مگر یہ کیسے درست ہے کہ ان کی مخالفت اور رد میں طرز اُنہی کا لے لیا جائے؟ اس بارے میں منقول طبری کی روایت ذرا بھی درست نہیں ہے، صحیح یہی ہے

اور اپنی طرف سے صحت کا دعویٰ نہیں بلکہ خود حدیث نبوی سے اور محدثین وشارحین حدیث سے منقول اور ثابت ہے کہ حدیث کلاب حوأب کا مصداق حضرت ام المؤمنین سیدتنا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا ہیں،

حدیث کلاب حوأب کا مصداق حضرت سیدہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا ہیں:

چاہے قاضی صاحب کا ام زمل سلمیٰ کو حدیث کا مصداق بنانا کتنے ہی خلوص پر مبنی ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ حدیث کا مصداق ام المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی ہیں، کیوں؟

اول: اس وجہ سے کہ خود حدیث کلاب حوأب میں ایسے الفاظ موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ ام زمل مصداق نہیں بن سکتیں، مثلاً **قال لها** (حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا) **قال لنا** (ہم ازواج مطہرات کو فرمایا) **قال لازواجه، قال لنسائه** (اپنی بیویوں کو فرمایا) **كان يوم من السّنة تجمع فيه نساء النبی ﷺ عندهٔ قال رسول ﷺ وهو عندازواجه ليت شعری ايتكن تنبحها كلاب الحوأب** (سال میں ایک دن ہوتا تھا جس میں نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات نبی کریم ﷺ کے پاس جمع ہوتیں تو بیویوں کے پاس موجودگی کے وقت آپ نے فرمایا کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تم میں سے کونسی ہوگی جس کو حوأب کے کتے بھونکیں گے) **لعلک صاحبة الجمل الادبب تنبحها كلاب الحوأب** (اے عائشہ! شاید تو بکثرت بالوں والے اونٹ کی سوار ہے جس کو حوأب کے کتے بھونکیں گے) (**معجم مااستعجم من اسماء البلاد والمواضع**) یہ متعدد روایات کے الفاظ بتاتے ہیں کہ آپ ﷺ کی مخاطب آپ کی ازواج مطہرات تھیں اور ام زمل ازواج میں سے نہیں تھی،

خود ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا **انی لهيه، انا والله صاحبة ماء الحوأب** میں اللہ کی قسم اس بیوی کا مصداق بن گئی ہوں (جس پر حوأب کے کتے بھونکے) (**امتاع الاسماع، البداية**)

دوم: ہمارے اکابرین اسلاف بھی یہی سمجھے ہیں کہ حدیث کلاب حوأب کا مصداق ام المؤمنین رضی اللہ عنہا ہیں،

امام سیوطی نے حدیث کا عنوان دیا **نبح الكلاب على بعض ازواجه** (کتوں کا نبی کریم ﷺ کی بعض ازواج مطہرات پر بھونکنا) (**مناهل الصفا**)

امام بیہقی نے عنوان دیا **ماجاء فی اخباره بان واحدة من امهات المؤمنين تنبح عليها كلاب الحوأب** (باب اس بیان میں جو آپ ﷺ نے خبر دی کہ امہات المؤمنین میں سے ایک پر حوأب کے کتے بھونکیں

گے)(**دلائل النبوۃ**)

امام قاضی عیاض نے عنوان دیا **وبنباح کلاب الحوأب علی بعض ازواجہٖ** (آپ ﷺ نے خبر دی بعض ازواج مطہرات پر حوأب کے کتے بھونکنے کی)اور فرمایا **فنبحت علی عائشة عند خروجها الی البصرة** (تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اس وقت کتے بھونکے جب وہ بصرہ کی طرف نکلیں)(**الشفاء ومن ذالک مااطلع علیہ من الغیوب**)

علامہ تقی الدین مقریزی (م ۸۴۵ھ) نے یوں ذکر کیا **واما صدق اخبارہٖ ﷺ بان احدیٰ نسائہٖ تنبح علیها کلاب الحوأب** (اور آپ ﷺ کی اس خبر کا سچا ہونا کہ آپ ﷺ کی ایک بیوی پر حوأب کے کتے بھونکیں گے)اور ذکر فرمایا (**وانذر**) **ان بعض نسائہ تنبحها کلاب الحوأب** (آپ ﷺ نے ڈرایا کہ آپ ﷺ کی بعض بیویوں پر حوأب کے کتے بھونکیں گے)(**امتاع الاسماع**)

امام طحاوی نے عنوان دیا **ماروی عن رسول اللہ ﷺ من قولہٖ لنسائہٖ** (باب اس کے بیان میں جو منقول ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کو فرمایا کہ ایک پر حوأب کے کتے بھونکیں گے)(**شرح مشکل الآثار**)

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری رحمہ اللہ شرح شفاء میں فرماتے ہیں

ومما اخبر بہ ﷺ من المغیبات نباح کلاب الحوأب علی بعض ازواجہٖ یعنی عائشة رضی اللہ عنها (**نسیم الریاض ۳/۱۶۵**)

آپ ﷺ نے جن غیب کی باتوں کی خبر دی ان میں سے ایک آپ ﷺ کی بعض بیویوں پر جس سے آپ ﷺ کی مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں حوأب کے کتوں کا بھونکنا ہے،

ملا علی قاری رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ مراد ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں (شرح شفاء ۳/۱۶۵،۱۶۶)

یہ سب عبارات اس بارے میں واضح ہیں کہ حدیث حوأب کا مصداق نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے بعض یعنی ام المؤمنین سیدتنا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں،

ام زمل کے مصداق بننے کی روایت کی حیثیت:

جس روایت کے سہارے قاضی جی نے ام زمل کو حدیث حوأب کا مصداق بنایا وہ روایت تاریخ کی مختلف کتابوں میں ذکر ہے، باسند صرف طبری میں ہے باقی کتابوں میں بے سند ہے، طبری میں ہے،

قال السری حدثناشعیب عن سیف عن سھل و ابی یعقوب قال .....

سیف سہل وابو یعقوب سے روایت کرتے ہیں کہ سہل وابو یعقوب کا بیان ہے کہ غطفان کے مفرور ظفر آئے یہاں ام زمل سلمٰی بنت مالک بن حذیفہ بن بدر تھی ، یہ اپنی ماں ام قرفہ بنت ربیعہ بن فلاں بن بدر کے مشابہ تھی ، ام قرفہ مالک بن حذیفہ کے پاس تھی کہ اس کے فلاں فلاں ۔۔۔ بچے ہوئے ، یہ بھگوڑے اس سلمی کے پاس جمع ہوئے جو عزت میں ماں جیسی تھی ، اس کے پاس ام قرفہ کا اونٹ تھا ، یہ لوگ اس کے پاس ٹھہرے تو اس نے اِن کو غیرت دلائی اور جنگ کا حکم دیا ، قبائل میں گھومی اور حضرت خالد بن ولید کے خلاف جنگ کی دعوت دیتی تھی ، تو لوگ جمع ہو گئے اور دلیری کرنا چاہی ، ہر طرف سے جدا ہونے والے یہاں آ گئے ، یہ ام زمل ام قرفہ کے زمانہ میں قید ہوئی تھی ، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ملی تھی ، اُنہی کے پاس رہا کرتی تھی ، پھر قوم کے پاس واپس ہو گئی تھی ، نبی کریم ﷺ ایک دن اِن عورتوں پر داخل ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا بیشک تم میں سے ایک حوأب کے کتے بھونکائے گی ، تو یہ کام سلمٰی نے کیا جب مرتد ہوئی ۔۔۔ ۔ **(تاریخ الطبری ۳/۲۶۴ ذکر ردۃ ھوازن وسلیم وعامر ، معجم البلدان ۲/۳۱۴ ، تاریخ ابن خلدون ۲/۴۹۸)**

حدیث کلاب حوأب حدیث نبوی ہے ، اور قاضی جی قاضی ہونے کی لاج نہ رکھتے ہوئے اس کو حدیث کی کتابوں کے بجائے تاریخ اور جغرافیہ کی کتابوں سے نقل کرتے ہیں ، یہ کیا انصاف ہے ؟ پھر دیکھیں کہ اس کہانی کے شروع میں راوی ذکر ہیں کہ سری سیف سے اور سیف سہل وابو یعقوب سے روایت کر رہا ہے ،

اس میں (۱) ابو عبیدہ سَرِی بن یحیی بن السری بن مصعب تمیمی کوفی ہناد بن السری کے بھتیجے ہیں ، اُن کی تعریف کی گئی ہے ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ، ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں ذکر کیا اور فرمایا سچا راوی ہے (رجال الحاکم فی المستدرک رقم ۷۵۱)

(۲) وہ شعیب بن ابراہیم تمیمی سے روایت کرتے ہیں ، اور شعیب بن ابراہیم تمیمی کوفی جو سیف کی کتابوں کا راوی ہے مجہول ہے (میزان الاعتدال ۲/۲۷۵ ، رقم ۳۷۰۴ ، المغنی فی الضعفاء ۱/۴۶۹ ، رقم ۲۷۶۹)

(۳) شعیب بن ابراہیم سیف بن عمر سے روایت کرتا ہے اور سیف بن عمر تمیمی ضبی کوفی سب محدثین کے ہاں مجروح ہے ، امام ابن معین ، نسائی ، دارقطنی ضعیف کہتے ہیں ، ابو حاتم اور دارقطنی کہتے ہیں متروک الحدیث ہے ، ابن حبان کہتے ہیں مضبوط راویوں سے من گھڑت روایتیں کرتا ہے اور محدثین نے کہا حدیث گھڑتا ہے ، حاکم وابن حبان

کہتے ہیں زندیقیت سے متہم ہے (تہذیب التہذیب)امام ذہبی فرماتے ہیں بالاتفاق متروک ہے (المغنی فی الضعفاء۱/۴۶۰،رقم ۲۷۱۶)ابوداؤد کہتے ہیں لیس بشی ء(بے حیثیت)ہے،ابن عدی کہتے ہیں اس کی اکثر روایات منکر ہیں،جمیع فرماتے ہیں،حدیثیں گھڑتا تھااور زندیقیت سے متہم ہے(میزان الاعتدال۲/۲۵۵،۲۵۶)

(۴)اورسیف بن عمر سہل وابو یعقوب سے روایت کرتا ہے،یہ سہل بن یوسف بن سہل بن مالک انصاری ہے ،علامہ ابن حجر کہتے ہیں مجہول الحال ہے ،ابن عبدالبر کہتے ہیں نہ سہل معروف ہے نہ اس کا باپ (لسان المیز ان ۳/۱۲۲)اورابو یعقوب سعید بن عبید بھی مجہول راوی ہے(المعجم الصغیرلرواۃ الامام ابن جریر۱/۱۹۷)اس لئے علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

والحوأب ایضاًاسم مخلاف بالطائف قتلت فیه سلمیٰ المرادیة عتیقة عائشة وقیل ایضاًانهاالمرادة بالحدیث ایضاًلانهاکانت مع نسائهٖ ﷺلماحدثهن بهٖ کمافی المعجم والصحیح خلافهٗ لمایأتی فی بقیة الحدیث (نسیم الریاض ۳/۱٦٦)

اورحوأب طائف میں بھی ایک علاقے کا نام ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزادکردہ باندی سلمیٰ مرادیہ قتل کی گئی،اورکہا گیا کہ حدیث کلاب حوأب سے مراد بھی وہی ہے کیوں کہ جب نبی کریم ﷺ نے ازواج مطہرات کو یہ حدیث بیان کی سلمیٰ ازواج مطہرات کے ساتھ تھی جیسا کہ معجم میں ہےصحیح اس کے خلاف ہے(کہ حدیث سے سلمیٰ مرادنہیں)اس مضمون کی وجہ سے جوحدیث میں آگے آرہا ہے ،

علامہ ناصرالدین البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

وفی معجم البلدان مادة حوء ب ان صاحبة الخطاب سلمیٰ بنت مالک الفزارية وکانت سبیة وهبت لعائشة وهی المقصودة بخطاب الرسول الذی زعموه وقدارتدت مع طلحة وقتلت فی حروب الردة ومن العجیب ان یصرف بعض الناس هٰذه القصة الی السیدة عائشة ارضاء لبعض الاهواء العصبية ،وفی هٰذاالکلام مؤاخذات (وفیه)وثوقه بماجاء فی معجم البلدان بدون اسنادومؤلفه لیس من اهل العلم بالحدیث وعدم وثوقه بمسندالامام احمدوقدساق الحدیث بالسندالصحیح ولابتصحیح الحافظ النقادالذهبی لهٗ ،الرابعة جزمهٗ ان صاحبة الخطاب سلمیٰ بنت مالک ..بدون حجة ولابرهان سوی الثقة العمیاء بمؤلف المعجم ..وبمثل هٰذه الثقة

لایجوزان یقال قال رسول اللہ ﷺ لسلمیٰ بنت مالک کذاو کذا،الخامسۃ ان الخبر الذی ذکرہٗ ووثق بہٖ لایصح من قبل اسنادہٖ بل واہ جداً (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ ۱/۸۵۱،۸۵۲)

(استاد صدیق کہتا ہے) معجم البلدان میں مادہ حوأب میں ہے کہ حضور ﷺ کی مخاطب سلمی بنت مالک فزاریہ ہے ،یہ قیدی ہوئی تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ملی تھی وہی حضور ﷺ کے اس خطاب سے مقصود تھی جوراویوں نے بیان کیا،اور وہ طلحہ کے ساتھ مرتد ہوئی ،ارتداد کی جنگوں میں ماری گئی ،عجیب بات یہ ہے کہ بعض لوگ اس قصہ کو بعض عصبی خواہشات کو پسند کرتے ہوئے حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف پھیرتے ہیں (مولانا البانی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں)اس کلام میں کئی قابل گرفت باتیں ہیں ،ایک یہ ہے کہ معجم البلدان میں جو بغیر سند کے آیا اور اس کا مصنف حدیث کا علم رکھنے والا نہیں اس پر (قائل نے)اعتماد کیا اور مسند احمد پر اعتماد نہیں کیا حالاں کہ انہوں نے صحیح سند کے ساتھ حدیث بیان کی ،اور نہ قائل نے حافظ نقاد ذہبی کے صحیح قرار دینے پر اعتماد کیا،اور یقین کرلیا کہ مخاطب سلمٰی ہے جب کہ نہ کوئی حجت نہ دلیل ہے،صرف معجم بلدان کے مصنف پر اندھا اعتماد ہے،حالاں کہ ایسے اعتماد سے یہ کہنا جائز نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سلمٰی بنت مالک کو یوں فرمایا، پھر جو خبر ذکر کی اور اس پر اعتماد کیا سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے بلکہ بہت ہی واہی ہے،

دیکھیں کہ قاضی صاحب کی حجت روایت کا یہ حال ہے،جس پر مدار رکھ کر نبی کریم ﷺ کی حدیث کی مراد بدل ڈالی ،ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہوا اور اس سے آپ ﷺ کی جو مراد ہوا اور وہ ظاہر بھی ہو اس سے پھیرنا حدیث نبوی میں تحریف معنوی کے زمرہ میں داخل ہے جس میں کچھ شبہ نہیں،اور ایسا کرنے والا نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولنے والا ٹھہرتا ہے،جو بہت بڑا جرم ہے،

قاضی جی کی خیانت:

قاضی صاحب نے ام زمل کے مصداق ہونے کے لئے زرقانی شرح مواہب کا حوالہ بھی دیا اور ظاہر کیا کہ زرقانی شرح مواہب میں بھی ہے کہ حدیث حوأب کا مصداق ام زمل ہے،قاضی صاحب نے علمی میدان میں بڑی خیانت کی ہے، نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے

کبرت خیانۃً ان تحدث اخاک ھولک مصدق وانت بہٖ کاذبٌ (الجامع الصغیر رقم ۶۲۱۵ مسند احمد وطبرانی وغیرہ)

یہ بڑی خیانت ہے کہ تو اپنے بھائی کو ایسی بات کہے کہ اس میں وہ تجھے سچا سمجھ رہا ہو اور تو اس کو جھوٹ بول رہا ہو،
قاضی صاحب نے شرح زرقانی کو اپنا مؤید ظاہر کیا حالاں کہ شرح زرقانی میں ہے

وقیل المراد بالحوأب مخلاف بالطائف قتلت بہٖ سلمی مولاۃ عائشۃ وکانت مع نسائہ لماحدثھن بذالک وھٰذالایصح لانہ صرح بانھا تنجو وتلک قتلت .... (شرح الزرقانی ۱۰/۱۴۶، طبع دارالکتب العلمیۃ بیروت)

اور یہ بھی کہا گیا کہ حوأب سے مراد طائف کا خاص علاقہ ہے جس میں سلمیٰ قتل ہوئی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ تھی، اور جب حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا اس وقت وہ ازواج مطہرات کے ساتھ تھی (لیکن) یہ بات صحیح نہیں کیوں کہ آپ ﷺ نے خبر دی کہ وہ بچ جائے گی جب کہ سلمیٰ قتل ہوگئی۔۔۔۔،

اگر بالفرض مان لیا جائے کہ حدیث کلاب حوأب کی مصداق ام زمل سلمیٰ ہے تو دونوں قسم کی روایات میں تعارض نہیں بلکہ تطبیق ہوسکتی ہے، اور وہ اس طرح کہ نبی کریم ﷺ نے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعلق فرمایا کہ اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے چنانچہ ان پر بصرہ کے راستہ میں موجود حوأب مقام کے کتے بھونکے، اور سلمیٰ کے متعلق بھی فرمایا کہ وہ حوأب کے کتے بھونکائے گی (نہ کہ اس پر بھونکیں گے) چنانچہ اس نے طائف کے علاقے والے حوأب کے کتے یعنی مرتد لوگ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بھونکائے ،اب تعارض والا اشکال بھی ختم ہوگیا، اور دونوں قسم کی روایات درست رہیں، اس بحث کے نتیجہ میں اس بارے میں آنے والی جتنی روایات ہوں سب صحیح ہوجاتی ہیں گو کسی کی سند میں ضعف بھی ہو مثلاً امام حاکم وبیہقی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے

ذکر النبی ﷺ خروج بعض امہات المؤمنین فضحکت عائشۃ رضی اللہ عنہافقال انظری یاحمیراء ان لاتکونی انت الحدیث

نبی کریم ﷺ نے امہات المؤمنین میں سے کسی ایک کے باہر نکلنے کا ذکر فرمایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہنسیں ،آپ ﷺ نے فرمایا اے حمیراء دیکھنا وہ باہر نکلنے والی تو نہ ہونا،

یہ حدیث مستدرک حاکم میں ہے اور حاکم نے **صحیح علی شرط الصحیحین** کہا مگر ذہبی نے فرمایا اس کا راوی عبدالجبار بن الورد بخاری مسلم کا راوی نہیں اس لئے **صحیح علی شرط الشیخین** نہیں ہے، امام ابن عساکر نے کتاب **الاربعین فی مناقب امہات المؤمنین** میں اس کو ذکر کر کے حدیث حسن کہا ہے(۷۱) امام

زرقانی شرح مواہب میں (۱۶/۷) فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے، محدثین کی جن عبارات میں ہے کہ حمیراء والی سب روایتیں من گھڑت ہیں، ان سے مستدرک کی اِس روایت کو مستثنیٰ کہا گیا ہے (مصباح الزجاجۃ فی زوائد ابن ماجہ ۸۲/۳) سنن نسائی کبریٰ میں بھی ایک حدیث حمیراء کی سند صحیح ہے،

اب ایک بات رہ گئی کہ جب حدیث کلاب حوأب کا مصداق حضرت ام المؤمنین سیدتنا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہو تو اس حدیث کو لے کر روافض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جنگ جمل میں غلطی ثابت کرتے ہیں کہ اس حدیث سے ان کا خطاء پر ہونا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق وصواب پر ہونا ثابت ہوتا ہے،

صحابہ رضی اللہ عنہم اجماعی غلطی سے معصوم ہیں،

تو اس بارے میں یاد رکھیں کہ اہل سنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل وقول دو قسم کے ہیں، ایک انفرادی، دوسرے اجماعی، اجماعی قول وعمل میں صحابہ رضی اللہ عنہم معصوم کہے گئے ہیں،

امام نووی شرح مسلم میں اور علامہ ابن حجر فتح الباری میں تین طلاق کے تین ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ کہنا کہ صحابہ کا اجماع خطاء پر ہوا درست نہیں

وهم معصومون من ذالک (شرح مسلم ۴۷۸/۱، فتح الباری ۳۵۷/۱۰)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خطاء پر اجماع سے معصوم ہیں،

علامہ صدر الدین محمد بن علاؤ الدین اذرعی صالحی دمشقی حنفی (م۷۹۲ھ) فرماتے ہیں

وهم معصومون عن الاجتماع علی ضلال (شرح العقیدة الطحاویة ۲۹۴)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گمراہی پر اکٹھے ہونے سے معصوم ہیں،

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

وهم معصومون من الضلالة (مرقات ۴۵۵/۱ تحت رقم ۲۳۸)

صحابہ رضی اللہ عنہم گمراہی (پر اجماع) سے معصوم ہیں،

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ جمع قرآن کی بحث میں فرماتے ہیں

وهم معصومون ان يجتمعوا علی الضلالة (الفتاوی الکبریٰ ۴۱۹/۴، مجموعة الفتاوی ۳۹۷/۱۳)

صحابہ رضی اللہ عنہم گمراہی پر اجماع کرنے سے معصوم ہیں ،

شیخ صالح بن فوزان بن عبداللہ بن الفوزان شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے عقیدہ کی شرح میں فرماتے ہیں

وافرادهم ليسوامعصومين فقديحصل من افرادهم خطاء ولكن عندهم من الفضائل مايغطى هذاالخطاء اماجماعهم فهم معصومون فيه فالصحابة معصومون بجماعتهم (شرح عقيدة الامام المجددمحمدبن عبدالوهاب ۱۰۳/)

صحابہ رضی اللہ عنہم کے افراد (الگ الگ) معصوم نہیں ہیں، کیوں کہ کبھی کسی فرد سے خطاء ہوسکتی ہے، لیکن ان کے ایسے فضائل ہیں جو ایسی خطاء کو چھپا دیتے ہیں، رہا ان کا اجماع تو وہ اجماع میں (غلطی سے) معصوم ہیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم اجتماعی صورت میں معصوم ہیں،

شیخ عبداللہ بن عبدالحمید اثری فرماتے ہیں

واهل السنة والجماعة يعتقدون بان الصحابة معصومون فى جماعتهم من الخطاء ،واماافرادهم فغيرمعصومين (الوجيزفى عقيدة السلف الصالح اهل السنة والجماعة ۱۷۰/)

اہلسنت والجماعت عقیدہ رکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجماعی صورت میں خطاء سے معصوم ہیں ،لیکن افردا (الگ الگ) معصوم نہیں ہیں،

معلوم ہوا کہ جس مسئلہ یا عقیدے پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوا وہ حق اور صواب ہے، اس میں خطاء اور گمراہی ہرگز نہیں ہے،

کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے متعدد فرامین میں ارشاد فرمایا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی ،اور اللہ میری امت کو گمراہی پر جمع نہ کرے گا، اور امت کا پہلا اور کامل الایمان گروہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں وہ بطریق اولٰی گمراہی اور خطاء پر اجماع نہیں کرسکتے تھے،

انفرادی رائے میں صحابی یا صحابیہ سے اجتہادی غلطی ہوسکتی ہے:

رہا انفرادی قول وعمل ؟ تو اس میں کسی صحابی یا صحابیہ سے خطاء ہوسکتی ہے ،فرداً فرداً کسی صحابی کو معصوم نہیں مانا جاسکتا، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی شخصیات ہی معصوم ہیں ، ان کے بعد کسی فرد کو معصوم ماننا درست نہیں مانا گیا بلکہ روافض کو کافر قرار دینے کی وجوہات میں سے ایک وجہ بارہ ائمہ کو معصوم ماننا ہے ،تو جب اہلسنت اماموں کو

معصوم ماننے پر روافض کو کافر قرار دیتے ہیں تو خود اہلسنت کسی فرد کو کیسے معصوم مانتے ہیں ؟ قاضی صاحب کی تحریر ایسا ظاہر کرتی ہے کہ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ معصوم تھے ،ان سے خطا ہو جانے کا کہنا ان کو سَبّ کرنا ہے،اور ایسا کہنے والا رافضی ہے،اس لئے امام حاکم بھی رافضی ہیں،**لاحول ولا قوۃ الاباللہ** ،آخر سوچنے کی بات ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے اور اہل حق کی تصریحات سے ثابت ہے کہ ہر مجتہد خطاء بھی کرسکتا ہے اور درست رائے بھی سوچ سکتا ہے،اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ان دونوں فریق کے بڑے بھی مجتہد تھے،تو ان کے اجتہاد میں بھی صواب کے ساتھ خطاء کا صدور بھی ممکن ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

اذاحکم الحاکم فاجتھدفاصاب فلہٗ اجران واذاحکم فاجتھدفاخطأفلہٗ اجرواحد (الجامع الصغیر ۵٦۵)

جب کوئی فیصلہ کرنے والا (مجتہد) فیصلہ کرنا چاہے اور اجتہاد کرکے درست رائے پر پہنچے تو اس کے لئے دگنا اجر ہے،اور جب فیصلہ کرنا چاہے اور اجتہاد کرے اور خطاء کرے تو اس کے لئے ایک گنا اجر ہے،

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر مجتہد مخطیء بھی ہوسکتا ہے اور مصیب بھی ،اور بہر صورت مخطیء ہو تو بھی اجر ملتا ہے گناہ نہیں ہوتا مصیب ہو تو بھی اجر ملتا ہے،مخطیء کی صورت میں ایک گنا اور مصیب کی صورت میں دگنا ثواب پاتا ہے،لیجیئے اگر کسی صحابی سے خطاء مانی جائے تو اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ اس صحابی نے گناہ کیا، بلکہ خطاء کرکے بھی ثواب ہی کمایا،تو خطاء کہنے سے کونسی خرابی لازم آتی ہے؟ بلکہ قرآن وسنت کی متعدد تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی بھی اجتہاد میں خطاء کرسکتا ہے، ہاں اللہ تعالی ان کو خطاء پر باقی نہیں رہنے دیتے ،تو صحابی سے اجتہاد میں خطاء کیوں نہیں ہوسکتی؟ بدر کے قیدیوں کے لئے نبی کریم ﷺ کی رائے اور آپ کی موافقت کرنے والے کئی صحابہ کی رائے فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دینا تھی،اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے قتل کردینے کی تھی،تو اگرچہ فدیہ لے لیا گیا مگر اللہ تعالی کی طرف سے تنبیہ نازل ہوئی

ماکان لنبی ان یکون لہٗ اسریٰ حتی یسخن فی الارض تریدون عرض الدنیاواللہ یریدالآخرۃ واللہ عزیزحکیم ،لولاکتاب من اللہ سبق لمسکم فیمااخذتم عذاب الیم ،

جنگ احد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو حضور ﷺ نے پہاڑ کی ایک گھاٹی پر بٹھایا اور حکم دیا کہ جب تک یہاں سے اترنے کا حکم نہ ہو نہ اترنا،ابتداء میں فتح کی صورت ہوئی اور کافر بھاگ گئے ،تو اُن صحابہ رضی اللہ عنہم

میں اترنے سے متعلق اختلاف ہوا، اکثر اتر گئے کہ اب جنگ ختم ہوگئی ،لیکن دس یا کچھ اوپر گھاٹی پر ٹھہرے رہے، آخر حضرت خالد بن ولید نے دوبارہ حملہ کردیا جس سے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی شہید ہوئے اور کئی دوسرے صحابہ بھی ،اور خود نبی کریم ﷺ زخمی ہوگئے، کیا یہ اترنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خطاء اجتہادی نہیں تھی؟ تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کسی خاص فرد کے اجتہاد میں خطاء نہ ماننا یہ اہلسنت والجماعت کا مذہب نہیں ہے، یہ قاضی جی کا کشمیری عقیدہ ہے جو امت کو دینا چاہتے ہیں، ویسے مجھے لگتا ہے کہ قاضی صاحب شاید یہ سننا پسند نہیں کرتے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صحیح سوچ پر قائم کہا جائے ،جس سے بدگمانی پیدا ہوتی ہے کہ شاید قاضی صاحب خارجیت سے متأثر ہیں، اب اکابرین کی تصریحات بھی ملاحظہ کرلیں، تاکہ ردوقدح کی کوئی گنجائش نہ رہے،

حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر اور حضرت معاویہ اور ام المؤمنین وغیرہ رضی اللہ عنہم خطاء اجتہادی پر تھے:

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں

اخرج البزارمن طریق زیدبن وھب قال بینانحن حول حذیفة اذقال کیف انتم وقدخرج اھل بیت نبیکم فرقتین یضرب بعضکم وجوہ بعض بالسیف ؟قلنایااباعبداللہ فکیف نصنع اذاادرکناذالک ؟قال انظرواالی الفرقة التی تدعواالی امرعلی بن ابی طالب فانھاعلی الھدیٰ (فتح الباری ۱۴/ ۴۳۸،ورجالہٗ ثقات مجمع الزوائد۷/۴۷۷)

امام بزار نے مسند میں میں زید بن وہب کی سند سے روایت کیا کہ ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے آس پاس تھے کہ (پیشین گوئی بیان کرتے ہوئے جوظاہر ہے کہ حضور ﷺ سے سن رکھی ہوگی) فرمایا تمہارا کیسا حال ہوگا جب تمہارے نبی کے گھرانے والے نکلیں گے اور تم دو جماعتیں بن جاؤ گے ایک دوسرے کے چہروں پر تلوار مارو گے، ہم نے عرض کیا اے ابوعبداللہ! جب ایسا ہو تو ہم کیا کریں؟ فرمایا اس جماعت کو دیکھنا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکومت کی طرف بلائے گی وہ صحیح راہ پر ہوگی،

اس حدیث سے جو حدیث مرفوع کے حکم میں ہے معلوم ہوا کہ جنگ جمل میں حضرت سیدنا علی کرّم اللہ وجہہٗ اور ان کی جماعت زیادہ صحیح رائے پر تھے ،

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا

انہ سیکون بینک وبین عائشة امر،قال انایارسول اللہ؟قال نعم ،قال انااشقاھم یارسول اللہ

؟قال لاولکن اذاکان ذالک فارددھاالی مأمنھا(مجمع الزوائد ۷۲۰۲۴ رواہ احمدوالبزاروالطبرانی ورجالہ ثقات)

تیرے اورحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان معاملہ ہوگا،عرض کیایارسول اللہ !میرا؟فرمایاہاں ،عرض کیاپھرمیں صحابہ میں سے انتہائی محروم شخص ہوں گا؟فرمایانہیں،لیکن جب ایسا ہوتو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کواس کی امن کی جگہ پہنچانا،

اس حدیث سے بھی یہی ظاہرہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غلطی نہیں ہوگی ،کیوں کہ نبی کریمﷺ نے فرمایاتوشقی (یعنی صحیح رائے سے محروم)نہ ہوگا،

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل ہے

مرعلی بن ابی طالب فقال الحق مع ذا،الحق مع ذا(ابویعلی ورجالہ ثقات ،مجمع الزوائد ۴۷۵/۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ گذرے تو آپﷺ نے فرمایاحق اِن کے ساتھ ہوگا،حق اِن کے ساتھ ہوگا،

امام مسلم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہﷺ نے ارشادفرمایا

تمرق مارقة عندفرقة من السلمین تقتلھااولی الطائفتین بالحق (الخصائص الکبریٰ ۲۵۰/۲)

مسلمانوں کے اختلاف کے وقت ایک نکلنے والی جماعت نکلے گی اس کومسلمانوں کی دوجماعتوں میں سے وہ جماعت قتل کرے گی جوحق کے قریب ہوگی،

اس حدیث میں مسلمانوں کے اختلاف سے مرادحضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوسرے حضرات کااختلاف کرنا ہے ،اورباہرنکلنے والی جماعت سے مرادخوارج ہیں جو اِسی اختلاف کے نتیجہ میں نکلے،حضورﷺ نے ارشادفرمایااِن دومیں سے جوجماعت خوارج کوقتل کرے گی وہ حق کے زیادہ قریب ہوگی ،اورخوارج کوحضرت علی رضی اللہ عنہ اوران کی جماعت نے قتل کیامعلوم ہواکہ جنگ جمل وصفین میں یہ حضرات زیادہ صحیح رائے پر تھے،

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نبی کریمﷺ کاارشادنقل ہے کہ فرمایا

اقتدوابالذین من بعدی ابی بکروعمررضی اللہ عنھماواھتدوابھدی عمار(مجمع

الزوائد ۹/۴۸۴،مسندابی حنیفة)

میرے بعد ہونے والے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کرو،اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی راہ پر چلو، حضرت عمار رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے،اس لئے یہ جماعت زیادہ درست راہ پر تھی کیوں کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اِن کے ساتھ تھے،اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی راہ اختیار کرنے کا آپ ﷺ نے حکم فرمایا تو اس جماعت والوں کو آپ ﷺ کے حکم کی اتباع حاصل ہوئی،

اس حدیث کی تشریح میں حضرت ملاعلی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

واستدل بہ علی حقیة خلافة علی و کون معاویة باغیاًلقوله علیه الصلوة وا السلام ویحک یاعماریقتلک الفئة الباغیة (شرح مسندابی حنیفة رحمه الله ۲۴۵/)

یعنی اس حدیث سے بھی دلیل لی گئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (صورۃً) باغی تھے،حدیث فئہ باغیہ بھی اس کی مؤید ہے،

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے لیکن تلوار نہ چلاتے تھے،جب عمار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو عملاً لڑنا شروع کردیا (کہ اس حدیث کی وجہ سے ظاہر ہوا کہ عمار کو شہید کرنے والا گروہ غلطی پر ہے)(فتح الباری ۱۴/۴۲۶)

صحابی رسول حضرت عبداللہ بن بدیل رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین کے موقع پر خطبہ دیا اور حمد وصلوۃ کے بعد اپنے خطبہ میں فرمایا

قاتلو الفئة الباغیة الذین نازعواالامر اھلهٗ (الاستیعاب ۲/۱۲۹)

اس جماعت باغیہ سے لڑو جنہوں نے خلافت کے اہل سے خلافت میں نزاع کیا،

حضرت جری بن سمرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جب اہل بصرہ کا اختلاف تھا میں مدینہ طیبہ آیا حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا سلام عرض کیا،۔۔۔۔اور بتایا کہ حضرت علی وطلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کے درمیان لڑائی ہوئی میں نے تو آکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی ہے ،تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا

فالحق بہٖ فواللہ ماضل ولاضل بہٖ حتی قالتھاثلاثاً (رواہ الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح

غیر جری بن سمرة وھو ثقة ،مجمع الزوائد ۹/ ۱۸۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل جا،اللہ کی قسم نہ وہ غلط ہوئے ،نہ اس کے ساتھ ہونے سے (ساتھ ہونے والوں کو)غلطی لگی،

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے حسن سند کے ساتھ مروی ہے کہ فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں اور آپ کے پاس حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی تشریف رکھتے ہیں میں نے سلام عرض کیا اور بیٹھ گیا، میں بیٹھا ہی تھا کہ حضرت علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما لائے گئے ،پھر ایک کمرے میں داخل کئے گئے اور دروازہ بند کر دیا گیا،تھوڑی ہی دیر میں جلدی حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے اور فرمارہے تھے رب کعبہ کی قسم !اللہ تعالی نے میرے حق میں فیصلہ دیا، پھر ان کے بعد تھوڑی ہی دیر میں جلدی سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نکلے اور فرمارہے تھے رب کعبہ کی قسم !مجھے بخش دیا گیا (کتاب المنامات لابن ابی الدنیا رقم ۱۲۴)

خواب گو حجت قطعی نہیں مگر مردود بھی نہیں ہیں،قرآن وسنت کے مطابق ہوں تو قبول ہیں،اس خواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمانا کہ میرے حق میں فیصلہ دیا گیا دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق وصواب پر تھے،اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا فرمانا کہ میری بخشش ہوگئی دلیل ہے کہ ان سے خطاء ہوئی اور اللہ کی طرف سے اِس خطاء کو معاف کر دیا گیا کیوں کہ اجتہادی غلطی ہے،

حضورﷺ کے صحابی ہیں حضرت حابس بن سعد طائی رضی اللہ عنہ،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ملک شام کے کسی علاقے کا والی بنایا تھا،اپنی ولایت کے دوران خواب دیکھا کہ سورج اور چاند آپس میں لڑ پڑتے ہیں ہر ایک کے ساتھ ستارے ہیں ،حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خواب سن کر فرمایا پھر تو سورج چاند میں سے کس کے ساتھ تھا؟ عرض کیا چاند کے ساتھ،فرمایا بس کبھی بھی میرا والی نہ بن کیوں کہ تو دھیمی روشنی والے کے ساتھ ہوگیا،چنانچہ حضرت حابس رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں حضرت معاویہ کے ساتھ ہو کر لڑتے ہوئے شہید ہوگئے (الاستیعاب ۱/۱۸۳،ترجمہ حابس)

یہ خواب اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعبیر بھی ظاہر کرتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے درست تھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطاء پر تھے ،اور اِس صحابی کو اور دوسرے حضرات کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینا چاہیئے تھا،اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرے فریق کو گمراہ کہنا ،یا معاذ اللہ کافر قرار دے دینا بہت بڑی گمراہی ہے،

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی انتہائی پرہیز گاری کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لڑائیوں میں ان کو شبہ تھا اس لئے ان کا ساتھ نہیں دیا تھا لیکن وفات کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو کر ان کے مخالفین کے خلاف نہ لڑنے پر افسوس کرتے تھے اور فرماتے

ماآسی علی شیء الانی لم اقاتل مع علی الفئة الباغیة (الاستیعاب ۲/۱۶۸)

مجھے بس اسی چیز کا افسوس ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دے کر باغی جماعت سے لڑائی نہیں کی، اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کا بھی یہی حال تھا کہ وہ بھی اس پر بہت افسوس کرتے تھے کہ (گو نہ تلوار چلائی ، نہ کسی کو نیزہ مارا، مگر) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر (صورۃً) لڑائی میں شامل ہو گیا (کیوں؟) اس پر توبہ استغفار کرتے تھے (الاستیعاب ۲/۱۷۰) حضرت مسروق تابعی رحمہ اللہ نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دیا تھا (اور کنارہ کش رہے تھے مگر) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہ دینے پر افسوس کرتے تھے ، اور اس پر توبہ کر کے اس جہان سے گئے ہیں (الاستیعاب ۱/۴۱) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت ہونے پر لڑنا چھوڑ دیا تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سمجھایا تھا کہ اس حدیث کے مطابق ہماری جماعت باغی بنتی ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو الزامی جواب دے کر چپ کرا دیا تھا (تاریخ الخمیس ۲/۲۷۷ ذکر خلافت علی رضی اللہ عنہ)

یہ مختلف احادیث اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے درست اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطاء اجتہادی ہوئی،

علماء امت کی مختلف عبارات ملاحظہ ہوں

(۱) حضرت امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں

ومذہب اہل السنة والحق احسان الظن بهم والامساک عماشجر بینهم وتاویل قتالهم وانهم مجتهدون متأولون لم یقصدوامعصیة ولامحض الدنیابل اعتقدکل فریق انه المحق ومخالفه باغ فوجب علیه قتالهٗ لیرجع الی امرالله وکان بعضهم مصیباًوبعضهم مخطیئاً معذوراًفی الخطاء لانه باجتهادالمجتهدوالمجتهداذااخطأ لااثم علیه ،وکان علی رضی الله عنه هوالمحق المصیب فی ذالک الحروب ھٰذامذهب اهل السنة (شرح مسلم ۲/۳۹۰)

اور اہل سنت اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسن ظن کریں گے اور جو لڑائیاں ہوئیں ان میں بحث نہ کریں گے، اور ان کی لڑائیوں کی تاویل کریں گے اور یہ کہ وہ حضرات تاویل کرتے ہوئے اجتہاد کرنے والے تھے انہوں نے گناہ کا اور محض دنیا کا ارادہ نہیں کیا تھا، بلکہ ہر گروہ نے سمجھا کہ وہ حق پر ہے اور اس کا مخالف باغی ہے اس لئے اُس پر لڑنا لازم ہے تا کہ دوسرا اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے، اور ان میں بعض درست رائے والے اور بعض خطاء پر تھے مگر خطاء میں معذور تھے، کیوں کہ یہ خطاء مجتہد کے اجتہاد سے تھی، اور مجتہد جب خطاء کر لے تو اس پر گناہ نہیں ہوتا، اور ان لڑائیوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی حق پر اور درست رائے پر تھے یہی اہل سنت کا مذہب ہے،

(۲) علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فقد صح عن النبی ﷺ انہ انذر بخارجة تخرج من طائفتین من امة یقتلها اولی الطائفتین بالحق فکان قاتل تلک الطائفة علی رضی اللہ عنہم فھو صاحب الحق بلاشک و کذالک انذر علیہ السلام بان عماراً تقتلہ الفئة الباغیة فصح ان علیاً ھو صاحب الحق ....وان من نازعہ فیھا فمخطیء فمعاویة رحمہ اللہ مخطیء مأجور مرة لانہ مجتھد (الفصل فی الملل والاھواء والنحل ۴/۴۳)

نبی کریم ﷺ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے خوارج کے نکلنے سے ڈرایا جو امت کے دو جماعتوں میں سے نکلے (اور فرمایا) ان کو وہ گروہ قتل کرے گا جو اُن دو جماعتوں میں سے حق کے زیادہ قریب ہوگا، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ (اور ان کے ساتھوں) نے خوارج سے لڑائی کی تو یقیناً وہ حق پر ہوئے، ایسے ہی آپ ﷺ نے ڈرایا کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا تو اس سے بھی صحیح ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے۔۔۔ اور یہ کہ جس نے خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی (گو خلافت کے لئے نہ تھی) وہ لڑنے والا خطاء پر ہوا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطاء کرنے والے ہوئے مگر ایک گنا اجر پائیں گے کیوں کہ مجتہد تھے،

فائدہ: حدیث **فئة باغیہ** سے متعلق علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (۱) قتادہ بن نعمان (۲) ام سلمہ (مسلم) (۳) ابو ہریرہ (ترمذی) (۴) عبداللہ بن عمرو بن العاص (نسائی) (۵) عثمان بن عفان (۶) حذیفہ (۷) ابوایوب (۸) ابورافع (۹) خزیمہ بن ثابت (۱۰) حضرت معاویہ (۱۱) عمرو بن العاص (۱۲) ابوالیسر (۱۳) عمار (طبرانی وغیرہ) رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور اس کی زیادہ تر سندیں صحیح ہیں یا حسن ہیں (فتح

الباری ۲/۸۷)علامہ محمد بن جعفر کتانی نے مزیداور راوی صحابہ بھی بیان کئے ہیں(۱۴)ابن مسعود(۱۵)ابوقتادہ(۱۶)عمرو بن حزم(۱۷)ابوسعید(۱۸)ابوہریرہ(۱۹)انس(۲۰)جابر بن عبداللہ(۲۱)ابن عباس(۲۲)جابر بن سمرہ (۲۳) زیاد بن الفرد(۲۴)کعب بن مالک(۲۵)ابوامامہ(۲۷)ام المؤمنین حضرت عائشہ(۲۸)زید بن ثابت(۲۹)عمار بن یاسر کی آزاد کردہ باندی،(۳۰)ابن عمر رضی اللہ عنہم،اور علامہ ابن حجر اور امام ابن عبدالبر اور محمد بن جعفرالکتانی اور علامہ سیوطی اور ذہبی رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ متواتر ہے (الاستیعاب ۲/۲۳۹،الاصابۃ ۴/۴۷۴،نظم المتناثر ۱۹۷/رقم ۲۳۷،خصائص کبری ۲/۲۳۹،تاریخ الاسلام ۳/۵۷۸)

(۳)علامہ محمد بن احمد سفارینی حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وکانت عائشة وطلحة والزبیرومعاویة رضی الله عنهم ومن اتبعهم مابین مجتهدومقلدفی جوازمحاربة امیرالمؤمنین سیدناابی الحسنین الانزع البطین رضوان الله علیه وقداتفق اهل الحق ان المصیب فی تلک الحروب والتنازع امیرالمؤمنین علی رضوان الله علیه من غیرشک ولاتدافع والحق الذی لیس عنه نزول انهم کلهم رضوان الله علیهم عدول لانهم متأولون فی تلک الخصومات مجتهدون فی هاتیک المقاتلات فانه وان الحق علی المعتمدعنداهل الحق واحداًفالمخطیء مع بذل الوسع وعدم التقصیرمأجور لا مأزور (لوامع الانوارالبهیة ۲/۳۸۶،۳۸۷)

حضرت ام المؤمنین اور طلحہ،زبیر و معاویہ رضی اللہ عنہم اور ان کے متبعین حضرت امیرالمؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی جائز سمجھنے میں کوئی مجتہد تھے کوئی ان کے مقلد،اہل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ اِن لڑائیوں میں درست رائے پر امیرالمؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے اس میں نہ شک ہے نہ اشکال،اور وہ حق جس سے اترنا جائز نہیں یہ ہے کہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم عادل ہیں کیوں کہ وہ اِن لڑائیوں میں تاویل کرنے والے اور مجتہد تھے،بیشک اگر چہ اہل حق کے نزدیک معتبر قول پر حق پر ایک تھا (مگر)خطاء کرنے والا گروہ اجتہاد میں پوری طاقت صرف کرتے ہوئے اور اجتہاد میں کوتاہی نہ کرتے ہوئے اجر پائیں گے گناہ گار نہیں ہوں گے،

(۴)علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وذهب جمهوراهل السنة الی تصویب من قاتل مع علی لامتثال قوله تعالی وان طائفتان من

المؤمنین اقتتلوا فیها الامر بقتال الفئة الباغیة وقدثبت من قاتل علیاً کانوا بغاة وهؤلاء مع هٰذا التصویب متفقون علی انه لایذم واحدمن هؤلاء بل یقولون اجتهدوا فاخطأوا، وذهب طائفة قلیلة من اهل السنة وهوقول کثیرمن المعتزلة الی ان کلامن الطائفتین مصیب وطائفة الی ان المصیب طائفة لابعینها(فتح الباری ۱۴/۴۵۰ کتاب الفتن تحت حدیث ۷۱۰۹)

جمہور اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم درست رائے پر تھے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر (مخالفین سے) لڑائی کی اللہ تعالی کے اس فرمان کی تعمیل میں **وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا**، کہ اس آیت میں باغی جماعت سے لڑنے کا حکم ہے، اور تحقیق ثابت ہے کہ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی وہ (صورۃً) باغی تھے، اہل سنت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گروہ کو حق پر سمجھتے ہوئے اس پر متفق ہیں کہ ان میں سے ایک کو بھی برا نہ کہا جائے گا بلکہ اہل سنت کہتے ہیں کہ (مخالفین نے) اجتہاد کر کے خطاء کی، اور ایک تھوڑا سا گروہ اہل سنت کا اس طرف بھی گیا ہے اور یہی بہت سے معتزلہ کا قول ہے کہ وہ دونوں گروہ درست رائے پر تھے (جیسے قاضی جی کہتے ہیں) اور ایک گروہ اس طرف گیا ہے کہ دو میں سے ایک گروہ درست رائے پر ہے جو معین نہیں ہے،

(۵) علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقال الکرمانی علی رضی الله تعالی عنه ومعاویة کلاهما کانامجتهدین غایة مافی الباب ان معاویة کان مخطیئاًفی اجتهادہٖ ونحوه ، قلتُ کیف یقال کان معاویة مخطیئاًفی اجتهادہٖ فماکان الدلیل فی اجتهادہٖ وقدبلغه الحدیث الذی قال ﷺویح ابن سمیة تقتله الفئة الباغیة وابن سمیة هوعماربن یاسروقدقتلهٗ فئة معاویة افلایرضیٰ معاویة سواء بسواء حتی یکون لهٗ اجروا حد؟وروی الزهری عن حمزة بن عبدالله بن عمروعن ابیه قال ماوجدت فی نفسی من شیء ماوجدت انی لم اقاتل هٰذه الفئة الباغیة کماامرنی الله ،فان قلت کان عبدالله بن عمرومن روی الحدیث المذکورواخبرمعاویة بهٰذافکیف کان مع فئة معاویة ؟قلتُ روی انهٗ انه قال لم اضرب بسیف ولم اطعن برمح ولکن رسول الله ﷺقال اطع اباک فاطعتهٗ وقیل لابراهیم النخعی مَن کان افضل علقمة اوالاسود؟فقال علقمة لانه شهدصفین وخصب سیفهٗ بها(عمدة القاری ۲۴/۲۸۶ کتاب الفتن)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما دونوں مجتہد تھے، زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اجتہادو غیرہ میں خطاء کرنے والے تھے، میں (عینی) کہتا ہوں کیسے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ نے خطاء اجتہادی کی ہے اور اس کے اجتہاد کی دلیل ہی کیا ہے جب کہ ان کو حدیث پہنچی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افسوس ابن سمیہ عمار پر اس کو (صورۃً) باغی گروہ قتل کردے گا، اور اس کو تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ نے قتل کیا ہے، کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس پر خوش نہ ہوں گے کہ برابر سرابر چھوٹ جائیں (کیا) پھر اُن کو ایک گنا اجر بھی ملے؟ (جو مجتہد کو ملتا ہے) اور زہری نے حمزہ بن عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا اتنا میرے دل میں کسی چیز کا افسوس نہیں جتنا اس کا ہے کہ میں نے اِس باغی گروہ سے لڑائی نہ کی جیسا کہ اللہ تعالی نے حکم فرمایا، پھر اگر تو کہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو مذکورہ روایت کے راویوں میں سے ہیں اور انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی یہ حدیث بیان کی تھی تو وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ کے ساتھ کیوں تھے؟ میں کہتا ہوں کہ منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ نہ میں نے تلوار ماری نہ نیزہ مارا لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اپنے باپ کا کہا مان تو میں نے والد کا کہا مانا (اور محض شرکت کی، لڑائی نہ کی) حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ حضرت علقمہ افضل ہیں یا اسود رحمہما اللہ؟ فرمایا علقمہ افضل ہیں کیوں کہ وہ جنگ صفین میں (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ) حاضر ہوئے اور تلوار خون سے رنگین کی،

دیکھیئے قاضی جی! علامہ بدرالدین رحمہ اللہ نے تو بہت گراں بات فرمائی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطا ہوئی، اگر چہ جمہور اس کو خطاء اجتہادی فرما رہے ہیں علامہ عینی اس کو مطلق خطاء کہہ رہے ہیں خطاء اجتہادی نہیں مان رہے کیوں کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک حدیث **ویح عمار تقتله الفئة الباغية** پہنچی تھی تو (فرماتے ہیں) اس کے بعد ان کو اجتہاد کرنے کی گنجائش ہی نہ تھی، اس لئے ان کو مقابلہ میں نہیں آنا چاہیئے تھا، اب برابر سرابر چھوٹ جائیں غنیمت ہے چہ جائے کہ اِس اجتہاد پر ان کو ایک گنا اجر ملے، بہر حال یہ علامہ عینی کا تبصرہ ہے، راقم وہی کہتا ہے جو جمہور کہتے ہیں کہ ان سے جو یہ خطا ہوئی ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے حسن ظن کریں گے، اور اجتہادی خطاء پر محمول کریں گے، جس پر مجتہد کو گناہ ہرگز نہیں ہوتا البتہ خطاء اجتہادی پر بھی ایک گنا ثواب ملتا ہے، ہاں مگر دوسری جگہ علامہ عینی رحمہ اللہ کا یہ تبصرہ بھی ملا کہ فرمایا

والجواب الصحیح فی هذا انهم کانوا مجتهدین ظانین انهم یدعونه الی الجنة وان کان فی

نفس الامر خلاف ذالک فلالوم علیھم فی اتباع ظنونھم ،فان قلت المجتھداذااصاب فلہ اجران و اذااخطأفلہ اجرفکیف الامرھھناقلت الذی قلناجواب اقناعی فلایلیق ان یذکر فی حق الصحابۃ خلاف ذالک لان اللہ تعالیٰ اثنیٰ علیھم وشھدلھم بالفضل (عمدۃ القاری ۴/۳۰۸)

اس بارے میں صحیح جواب یہ ہے کہ وہ حضرات (حضرت معاویہ وعلی رضی اللہ عنہما) مجتہد تھے یہ گمان کررہے تھے کہ وہ دوسرے فریق کو جنت (کے اسباب) کی طرف دعوت دے رہے ہیں اگرچہ واقع میں (ایک جانب) اِس کے خلاف تھا،تو اپنی گمانوں کی اتباع میں اُن پر کوئی ملامت نہیں ہے، پھر اگر آپ کہو کہ مجتہد جب درست رائے پر چل پڑے تو اس کو دگنا اور خطاء کرے تو ایک گنا اجر ملتا ہے،تو یہاں معاملہ کیسا ہے؟ میں کہتا ہوں جو ہم نے گفتگو کر لی وہی کافی جواب ہے (کہ اپنے اجتہاد پر عمل کیا کوئی صواب پر کوئی خطاء پر ہوا،بس) تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں اس کے خلاف ذکر کرنا مناسب نہیں کیوں کہ اللہ تعالی نے ان حضرات کی تعریف کی ہے اور ان کی فضیلت کی گواہی دی ہے ،

اوپر کی عبارت میں مزید حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا فرمان نقل کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ سے لڑنے والے حضرت علقمہ رحمہ اللہ کو اسود پر ترجیح دے رہے ہیں کہ اِنہوں نے اچھا کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا،یعنی حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطاء پر تھے،

علامہ عینی حدیث فئہ باغیہ کی تشریح میں فرماتے ہیں

وفیہ فضیلۃ ظاھرۃ لعلی وعمارورد علی النواصب الزاعمین ان علیاًلم یکن مصیباًفی حروبہٖ (عمدۃ القاری کتاب الصلوۃ ،باب التعاون فی بناء المسجد)

اس حدیث میں حضرت علی وعمار رضی اللہ عنہما کی واضح فضیلت ہے اور اُن ناصبیوں پر رد ہے جو خیال کرتے ہیں کہ اِن جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ درست رائے پر نہ تھے،

خطرہ لگتا ہے کہ شاید قاضی طاہر علی صاحب بھی ایسے ہی لوگوں میں سے ہوں ،اس خطرے کی وجہ یہ ہے کہ قاضی صاحب کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بعض سیاسی تسامح ہوئے ہیں،تسامح غلطی ہوتی ہے جو بڑے کے احترام کی خاطر غلطی نہیں کہی جاتی،

(٦) حضرت علامہ عبدالرؤف مناوی مصری اور امام زرقانی رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

قال القرطبی وهٰذا الحديث من اثبت الاحاديث واصحها ولما لم يقدر معاوية على انكاره فقال انما قتله من اخرجهٗ فاجابهٗ على بان رسول الله ﷺ اذن قتل حمزة حين اخرجهٗ، وقال الامام عبدالقاهر الجرجانی فی كتاب الامامة اجمع فقهاء الحجاز والعراق من فريقی الحديث والرأی منهم مالک والشافعی وابوحنيفة والاوزاعی والجمهور الاعظم من المتكلمين والمسلمين ان علياً مصيب فی قتاله لاهل صفين كما هو مصيب فی اهل الجمل، وان الذين قاتلوه كانوا بغاةً ظالمون لهٗ لكن لا يكفرون ببغيهم، وقال الامام ابومنصور فی كتاب الفرق فی بيان عقيدة اهل السنة اجمعوا ان علياً مصيب فی قتاله اهل الجمل طلحة والزبير وعائشة بالبصرة واهل صفين معاوية وعسكرهٗ (فيض القدير شرح الجامع الصغير ٦/٣٦٦، شرح الزرقانی على المواهب اللدنية ١٠/١٣٥، ١٥٤))

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث **(ويح عمار تقتله الفئة الباغية)** سب سے مضبوط اور زیادہ صحیح احادیث میں سے ہے، اور جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کا انکار نہ کر سکے تو فرمایا کہ عمار کو تو اس نے قتل کیا جس نے اس کو باہر نکالا (اور یہاں لایا) تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل خود رسول اللہ ﷺ ہوئے جنہوں نے ان کو نکالا، امام عبدالقاہر جرجانی رحمہ اللہ نے کتاب الامامت میں فرمایا حجاز اور عراق کے محدثین وفقہاء جن میں سے امام مالک وشافعی وابوحنیفہ واوزاعی رحمہم اللہ ہیں اور بہت بڑی تعداد متکلمین اور مسلمانوں نے اجماع کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل صفین واہل جمل دونوں سے جنگ کرنے میں صحیح رائے پر تھے، اور جنہوں نے اُن سے لڑائی کی وہ لوگ (صورۃً) باغی اور زیادتی کرنے والے تھے لیکن اپنی بغاوت کی وجہ سے کافر نہیں ٹھہرائے جا سکتے، امام ابومنصور نے کتاب الفرق میں اہل سنت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اہل سنت کا اجماع ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ جمل میں حضرت طلحہ وزبیر وعائشہ وغیرہم رضی اللہ عنہم اور جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر سے لڑنے میں صحیح رائے پر تھے،

فائدہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف دو قول منسوب ہیں، اول یہ کہ انہوں نے حدیث عمار پر فرمایا کہ عمار کو تو انہوں نے قتل کیا جو نکال لائے، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے

قاتل بھی نبی کریم ﷺ ہوں گے؟ دوسرا قول یہ منسوب ہے کہ انہوں نے یہ تاویل کی کہ باغیہ بمعنی طالبہ یعنی ہم خون عثمان کے قصاص کے طالب ہیں، شیخ اکمل الدین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ اُن پر افتراء ہے، کیوں کہ یہ (باغی بمعنی طالب) حدیث کی تحریف ہے، نیز حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نکال نہیں لائے تھے وہ تو خود تشریف لائے تھے، اس پر حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر واجب تھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی (ظاہری) بغاوت سے بھی باز آتے اور اطاعت اختیار کرتے، اور مخالفت چھوڑ دیتے، (مرقات ۱۱/۱۸) لیکن طبرانی کبیر میں دو سندوں سے اور مسند ابو یعلی میں نقل ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عمار کے قاتل تو اس کو لانے والے ہیں، امام ہیثمی فرماتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں (مجمع الزوائد ۹/۴۸۸، ۴۸۹)

(۷) علامہ ابو الشکور السالمی رحمہ اللہ تفصیل سے بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال اهل السنة والجماعة بان معاوية ومن تابعه من الصحابة فی حال حيوة علی رضی الله عنه كانوا مخطئين فی دعوی الامارة والبيعة معهٗ باغين بالمقابلة مع علی، وانما قلنا انهم كانوا مخطئين لانهم اجتهدوا فی محل الاجتهاد لا فی وقت الاجتهاد لان معاوية كان اهلاً للخلافة بعد علی ولو لم يسبق خلافة علی لكانت تصح خلافتهٗ فی ذالک الوقت لانه كان من قريش، وقد قال النبی ﷺ لمعاوية حين دخل عليه اذا وليتَ امر هٰذه الامة فارفق بهم فوقع عند معاوية انه مستحق للخلافة فلهٰذا ادعیٰ وقد كان اصاب من وجهٍ لانه كان اهلاً لها واخطأ من وجهٍ لان الخلافة والبيعة لعلی قد سبق وعلی كان افضل منه واحق منه للخلافة فلا يجوز له الخلافة فی ذالک الوقت وانما كان وقته وقت سائر الناس من القريش بعد علی وقولنا انه كان باغياً فيما حارب علياً لان الله تعالی قال وان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فاصلحوا بينهما فان بغت احداهما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیء الی امر الله فالله تعالی سمی احداهما باغياً ومن لم يكن علی الحق فانه يكون باغياً، والدليل علی انه كان باغياً ان القاضی الجليل بن احمد السنجری السمرقندی روی عن النبی ﷺ انه قال لعمار تقتلک الفئة الباغية وقد قتله جند معاوية فالنبی عليه السلام سماهم باغية وروی عن ابی حنيفة انه قال لاصحابهٖ اتدرون لِمَ

یبغضنااھل الشام فقالوا لا،قال لاننا نعتقد بانالو کناحضوراًلکنانعین علیاًعلی معاویة ونقاتل معاویة لاجل علی رضی اللہ عنہما(التمھید ۱۸۲/ ، ۱۸۳ ،)

اہل سنت والجماعت فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ اوران کے پیروکارصحابہ رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں حکومت اور بیعت کے دعوی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں خطاء کرنے والے تھے،ہم خطاء کرنے والااس لئے کہہ رہے ہیں کہ وہ محل اجتہاد میں تواجتہاد کرر ہے تھے لیکن اجتہاد کے وقت میں اجتہا دنہیں کرر ہے تھے (بے وقت تھا) کیوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے اہل تھے،اگر پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت نہ ہوتی تو اُس وقت ان کی خلافت صحیح ہوتی ،کیوں کہ وہ قریش میں سے تھے،اور نبی کریم ﷺ کے پاس جب ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب تجھے امت کی حکومت ملے توان سے نرمی برتنا،تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں آ گیا کہ وہ مستحق خلافت ہیں،اس لئے دعوی کیا،اورایک طرح تو درست سوچا کہ خلافت کے اہل تھے،مگر دوسرے پہلو سے خطاء کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت وخلافت پہلے ہو چکی تھی ،اوروہ اُن سے افضل بھی تھے،تو اُس وقت ان کے لئے خلافت درست نہ تھی ، بلکہ ان کا وقت دوسرے لوگوں کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد تھا،اورہم نے جو کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی میں (صورۃً) باغی تھے تواس لئے کہ اللہ تعالی نے مذکورہ آیت میں ایک گروہ کو باغی کہا ہے،اور جو حق پر نہ ہوگا وہی باغی ہوگا، پھراس کی دلیل کہ وہ باغی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کوفرمایا تجھے باغی گروہ قتل کرے گا اوراس کو تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے قتل کیا تو آپ ﷺ نے ان کا نام باغی رکھا،اورامام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ فرمایا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ شام والے ہم سے کیوں بغض رکھتے ہیں ؟ ساتھوں نے عرض کیا معلوم نہیں،فرمایاوہ اس لئے کہ ہم عقیدہ رکھتے ہیں کہ اگر ہم موجود ہوتے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد کرتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خاطر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑتے ،

یہاں مولانا سالمی کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی خود خلیفہ بننے کے لئے تھی ،جمہور علماء کے نزدیک یہ بات درست نہیں ہے،مگر ہمارا مقصود اس عبارت سے یہ ہے کہ لڑائی کی جو وجہ بھی ہو بہرحال حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطاء پر تھے،

(۸) علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

ولفظ مسلم قال النبی ﷺ لعمار تقتلک الفئة الباغیة وروی وقاتله فی النار [فقتله اصحاب معاویة] وکان هو مع علی بصفین وهو صریح فی ان الخلیفة بحق هو علی رضی الله عنه وان معاویة مخطیء فی اجتهادهٖ کمافی حدیث اذااختلف الناس کان ابن سمیة مع الحق وابن سمیة هو عمار رضی الله عنه کان مع علی وهٰذاهو الذی ندین الله بهٖ وهوان علیاً کرم الله وجههٗ علی الحق ومجتهد مصیب فی عدم تسلیم قتلة عثمان ومعاویة رضی الله عنه مجتهد مخطیء فدع القیل وقال فماذابعدالحق الاالضلال (نسیم الریاض ۳/۱۶۶)

مسلم شریف کے لفظ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ تجھے باغی گروہ قتل کرے گا ایک روایت میں ہے کہ اس کا قاتل جہنمی ہوگا، تو اُن کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے قتل کیا، اور وہ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، یہ حدیث صریح ہے کہ خلیفہ برحق حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اجتہاد میں خطاء کرنے والے تھے، جیسا کہ ایک اور حدیث میں ہے کہ جب لوگ اختلاف کریں گے ابن سمیہ یعنی حضرت عمار رضی اللہ عنہ حق کے ساتھ ہوں گے، اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، ہم اسی عقیدہ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ حق پر تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل حوالے نہ کرنے میں درست رائے رکھنے والے مجتہد تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطاء کرنے والے مجتہد تھے باقی چوں وچرا چھوڑو، حق کے بعد سوا گمراہی کے کیا ہے؟

(۹) مولانا عبدالحق حقانی دہلوی رحمہ اللہ جنگ صفین کے متعلق فرماتے ہیں:

یہی بدنصیب جنگ تھی کہ جس نے اسلام کی چمکدار تلوار کو اسلام ہی پر الٹ دیا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ (حضرت) معاویہ غلطی پر تھے لیکن اس بات پر نہ تو خوارج کی طرح فریقین کو تبرا کرنا چاہیئے، نہ شیعہ کی طرح معاویہ اور ان کے لشکر کو کافر و مرتد بنانا چاہیے (عقائد الاسلام/۲۳۲)

(۱۰) حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ یہ بھی فرماتے ہیں:

کہ صحابہ کرام کے درمیان جو باہمی اختلافات اور نزاعات پیش آئے جیسے جمل اور صفین کا جھگڑا ان کو نیک وجہ پر محمول کرنا چاہیے اور ہوا و ہوس اور حب ریاست اور طلب رفعت اور منزلت سے اس کو دور سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ نفس

امارہ کی کمینہ اور رذیل خصلتیں ہیں اوران بزرگوں کے نفوس حضرات خیر البشر ﷺ کی صحبت کیمیا اثر کی برکت سے ہواوہوس اور حرصاور کمینہ اور حب مال اور حب جاہ سے آئینہ کی طرح صاف اور شفاف ہو چکے تھے اسی وجہ سے تمام امت کا اجماع ہے کہ ہزاروں ہزار جنیداور ہزاروں ہزار شبلی اور بایزید ایک ادنی صحابی کے نقش پا کو نہیں پہنچ سکتے صحابہ کرام کے نفوس اگر چہ حضور ﷺ کی صحبت کی برکت سے نفس امارہ کی رذیل اور کمینہ خصلتوں سے پاک ہو چکے تھے ،لیکن صحابہ کرام بشراور انسان تھے ملائکہ اور انبیاء نہ تھے جو غلطی سے معصوم رہتے ،بتقاضائے بشریت اجتہادی خطاء کا واقع ہو جانا شان تقوی اور ورع کے منافی نہیں ،۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پس مشاجرات صحابہ کو اس آیت کے ماتحت سمجھو،دونوں گروہ متقی تھے،دونوں جنت میں جائیں گے،ان کی صلح بھی حق کے لئے تھی اوران کی لڑائی بھی حق کے لئے تھی ،ہر ایک گروہ نے اجتہاد کے موافق عمل کیا پس جو مصیب ہے اس کے لئے دو اجر ہیں،اور جو مخطی ء ہے،اس کے لئے ایک اجر ہے،بہر حال مصیب ہو یا مخطی ملامت سے ہر طرح دور ہے،درجات ثواب اور اجر میں فرق ہے،

مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھتے ہیں

علماء نے فرمایا ہے کہ ان لڑائیوں میں حق حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی جانب تھا اوران کے مخالف خطا پر تھے لیکن یہ خطاء خطاء اجتہادی تھی ،جس پر طعن اور ملامت ہر گز ہر گز جائز نہیں چہ جائے کہ کفر یا فسق کو ان کی طرف منسوب کیا جائے (عقائد الاسلام حصہ اول ص ۱۶۷،۱۶۸)

(۱۱) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ کہنا غلط ہے کہ (صحابہ کرام کے)دو مختلف اقوال میں سے ایک کو حق یا راجح اور دوسرے کو خطاء یا مرجوح قرار دینے میں کسی ایک فریق کی تنقیص لازم ہے،اسلاف امت نے ان دونوں کاموں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ عمل اور عقیدہ کے لئے کسی ایک فریق کے قول کو شریعت کے مسلمہ اصول اجتہاد کے مطابق اختیار اور دوسرے کو ترک کیا لیکن جس کے قول کو ترک کیا ہے اس کی ذات اور شخصیت کے متعلق کوئی ایک جملہ بھی ایسا نہیں کہا جس سے ان کی تنقیص ہوتی ہو خصوصاً مشاجرات صحابہ میں تو جس طرح امت کا اس پر اجماع ہے کہ دونوں فریق کی تعظیم واجب اور دونوں میں سے کسی کو برا کہنا ناجائز ہے،اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ جنگ جمل میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ حق پر تھے ،ان کا مقابلہ کرنے والے خطاء پر تھے،اسی طرح جنگ صفین میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ حق پر تھے اوران کے مقابل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اوران کے اصحاب خطاء پر،البتہ ان کی خطاؤں کو اجتہادی خطاء قرار دیا جو شرعاً گناہ نہیں

،جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہو، بلکہ اصول اجتہاد کے مطابق اپنی کوشش صرف کرنے کے بعد بھی اگر ان سے خطاء ہوگئی تو ایسے خطاء کرنے والے بھی ثواب سے محروم نہیں ہوتے ،ایک اجر ان کو بھی ملتا ہے (مقام صحابہ ۷۳/)
ان عبارات کے علاوہ بھی بکثرت عبارات ہیں ،فی الوقت اِنہی پر اکتفاء کی جاتی ہے،

خلاصہ مطلب:

دیکھیں یہ سب اکابرین اسلاف اہلسنت والجماعت کا اجماع نقل کررہے ہیں اوراسی کو ترجیح دے رہے ہیں کہ اگر چہ حضرت علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما اور ہر ایک کے گروہ میں موجود صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعظیم واحترام بہت ضروری ہے ،اوران سے حسن ظن کیا جائے ،تنقید وتنقیص نہ کی جائے ،مگر اِن حضرات کی باہمی لڑائیوں میں ہر ایک مجتہد ہے،اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا ہے،اور جیسے مجتہد سے خطاء بھی ہوسکتی ہے اورصواب بھی ،ایسے اِن حضرات کے اجتہاد میں خطاء وصواب ہوسکتا ہے ،اور یہ خطاء بیان کرنا تنقیص نہیں ہے ،اور یہ کہ اِن دو میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ صواب پر اور حضرت معاویہ اورام المؤمنین وغیر ہم رضی اللہ عنہم خطاء پر تھے ،اِسی پر اجماع ہے ،یہی جمہور کا مسلک ہے ،یہی راجح ہے ،قاضی طاہر علی صاحب کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطاء کہنے سے امام حاکم شیعہ ہی نہیں رافضی ہیں تو کیا یہ سب اسلاف اکابرین مجتہدین ائمہ کرام ،مفسرین ،متکلمین ،حنفی ،شافعی ،حنبلی ،مالکی ،علماء دیوبند کُل کے کُل رافضی ہیں؟ اگر یہ اہل حق ہو کر رافضی ہیں تو امام حاکم رافضی بن کر قابل نفرت نہیں بنتے ،اوراگر یہ حضرات رافضی نہیں بنتے تو امام حاکم بھی ہرگز رافضی نہیں بنتے ؟

حدیث کلاب حوأب پر ایک شبہ:

حدیث کلاب حوأب پر ایک شبہ باقی رہ گیا ،جو قاضی صاحب کے خیال میں وزنی ہے جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ذات مجروح ہوتی ہے ،قاضی صاحب لکھتے ہیں
روایت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حوأب کے کتے بھونکنے کے بعد حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے پچاس آدمیوں کو پیش کیا جنھوں نے گواہی دی کہ اس مقام کا نام حوأب نہیں ہے ،بعض نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف یہ جھوٹی شہادت منسوب کی ہے ،۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہ صرف یہ کہ قصداً اور عمداً جھوٹ بولا بلکہ وہ جھوٹے گواہ بھی تیار کرلائے ،اس الزام سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کس قدر گھناؤنا کردار سامنے آتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔الخ (مصداق کون؟ص ۳۵)

قاضی صاحب !آپ کی اس ساری تقریر کا مدار(صحابہ رضی اللہ عنہم کا جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹی گواہی مہیا کرنا) تاریخ طبری کی اس روایت پر ہے جس کے راوی آپ کے تبصرہ کے مطابق بھی رافضی ضعیف، مجہول الحال ،مجہول النسب وغیرہ ہیں، تو آپ ایسی روایت کو سامنے رکھ کر خوامخواہ مغز خوری کر رہے ہیں، جھوٹی گواہی کی اِس روایت کو بیشک جھوٹا کہیں اور یہ واقعی جھوٹی ہے، مگر سوچیں کہ یہ جھوٹی گواہی اصل حدیث میں اور حدیث کی کسی کتاب میں تو نہیں ہے تو آپ اصل حدیث کو کیوں من گھڑت ثابت کرنے کی کوشش میں ہیں؟ تاریخ طبری کی روایت کے مقابلہ میں حدیث کی کتابیں دیکھیں تو اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حوأب کے حوأب ہونے کا انکار نہیں کیا بلکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ام المؤمنین آپ کے جانے میں خیر ہے، مسلمان آپ کو دیکھیں گے تو آپ کی وجہ سے اختلاف وانتشار ختم ہو کر صلح واتفاق کی صورت پیدا ہونے کی امید ہے ،

ترجعین ؟عسی اللہ عزوجل ان یصلح بک بین الناس (مجمع الزوائد)

آپ واپس ہوتی ہیں؟ (واپس نہ ہوں) ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالی آپ کے ذریعہ لوگوں کے درمیان صلح کی صورت پیدا فرمادیں،

تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا اُن کو واپس نہ ہونے پر اصرار کرنا بھی اِس خاص دینی مصلحت کے لئے تھا، انہوں نے یہ کہہ کر ام المؤمنین کو نہیں روکا تھا کہ یہ حوأب نہیں ہے اور جس نے حوأب کہا اس نے جھوٹ بولا ہے ،اور پھر اِن حضرات نے اس کے لئے پچاس جھوٹی گواہیاں بھی جمع کرلیں ، یہ کہانی بنانے والا جھوٹا ہے، مگر قاضی صاحب کونسا پیمانہ لئے پھرتے ہیں کہ کہتے ہیں

بہرحال حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے چشمہ حوأب کی تردید فرمائی جس میں وہ بجا طور پر حق بجانب ہیں (علمی محاکمہ ص ۳۱۶)

یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر کی تردید صحیح ثابت مان رہے ہیں جو صحیح ثابت نہیں اور اصل حدیث کلاب حوأب کو غلط ثابت کرنے کے درپے ہیں جو صحیح ثابت ہے؟

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی ندامت:

امام ذہبی فرماتے ہیں

فانها ندمت ندامة کلية وتابت من ذالک علی انها مافعلت ذالک الا متأولة قاصدة

للخیر (سیر اعلام النبلاء ۳/ ۴۶۲)

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو اِس پر بہت ہی ندامت تھی اور اِس سے توبہ کی باوجود اس کے کہ انہوں نے یہ سفر کیا تاویل کرتے ہوئے خیر کا ارادہ کرتے ہوئے ،

متعدد روایات ہیں جن سے حضرت ام المؤمنین کا اپنے نکلنے پر نادم ہونا ثابت ہوتا ہے ،مثلاً حضرت قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے دل میں تو یہ تھا کہ وہ اپنے کمرے میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ دفن ہوں مگر فرمایا

انی احدثت بعدرسول اللہ ﷺ حدثاً ادفنونی مع ازواجہ (مستدرک حاکم ۶۸۴۲/ ،طبقات ابن سعدالکبریٰ ۸/ ۵۹)

میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد نیا کام کیا ہے اس لئے مجھے حضور ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ دفن کر دینا،

اس حدیث کی ایک سند تو وہ ہے جو قاضی صاحب جانتے ہیں ،جس پر آگے بحث آرہی ہے ،ایک اور صحیح سند بھی ہے،

کتاب **تخریج احادیث احیاء علوم الدین** میں ہے

قال محمود بن محمد حدثنا المیمونی حدثنا سریج بن یونس حدثنا اسماعیل بن مجالد عن الشعبی قال حضرت عائشۃ الحدیث

امام شعبی فرماتے ہیں کہ میں حضرت ام المؤمنین کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا بیشک میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد نیا کام کر لیا نا معلوم آپ ﷺ کے پاس میرا کیا حال ہوگا اب میں ناپسند کرتی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دفن ہوں ،اور نہیں جانتی کہ آپ کے پاس میرا کیا حال ہوگا؟ پھر رسول اللہ ﷺ کی قمیص کا ایک ٹکڑا منگوایا اور فرمایا یہ میرے سینے پر رکھ دینا اور میرے ساتھ دفن کر دینا شاید اس کی برکت سے میں عذاب قبر سے نجات پا لوں **(تخریج احادیث احیاء علوم الدین، بحث احوال المحتضرین ۶/ ۲۸۱۸)**

اس میں حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے براہ راست سننے والے (۱) امام شعبی ہیں ،یہ عامر بن شراحیل شعبی کوفی ہیں ،سب محدثین نے ان کی تعریف کی ہے ،البتہ بعض محدثین کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ

عنہا سے روایت نہیں سنی ،مگر یہ روایت ظاہر کرتی ہے کہ انہوں نے اس روایت میں ام المؤمنین سے سماع کیا ہے،(۲)امام شعبی سے روایت کرنے والے اسماعیل بن مجالد بن سعید ہمدانی کوفی ہے،صحیح بخاری کا راوی ہے،امام احمد اور بخاری سچا راوی بتاتے ہیں،امام ابن معین،ابن شاہین ثقہ کہتے ہیں بعض نے اُن پر جرح کی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ حسن الحدیث درجہ کا راوی ہے (۳)اسماعیل بن مجالد سے سریج بن یونس بن ابراہیم بغدادی روایت کرتے ہیں ،بخاری،مسلم کے راوی ہیں،سب محدثین نے اِن کی تعریف کی ہے(۴)سریج سے روایت کرنے والے عبدالملک بن عبدالحمید بن عبدالحمید بن میمون جزری میمونی ہیں،یہ امام احمد کے خاص شاگرد ہیں،سب محدثین اِن کی تعریف کرتے ہیں،(۵)اُن سے روایت کرنے والے ابوالعباس محمود بن محمد بن الفضل رافقی الادیب ہیں،اِن کا تذکرہ تاریخ دمشق میں (۲۶۰ ۷)اور ذہبی کی تاریخ الاسلام (۶۴۳)میں موجود ہے، بڑے محدثین میں سے ہیں،ان کی ایک کتاب ہے تاریخ الجزیرۃ،حبش بن موسی سے حدیث روایت کرتے ہیں (الاکمال فی رفع الارتیاب۴/۱۵۳)

قاضی طاہر علی صاحب اس حدیث کو صحیح نہیں مانتے کیوں؟اس کے متعلق کہتے ہیں کہ کئی وجوہ ہیں

جہاں تک حدیث کی صحت کا تعلق ہے تو وہ بوجوہ صحیح نہیں (۱)اس حدیث کے راوی قیس بن ابی حازم ہیں ـــــخبر واحد ہے ،ـــاخبار احاد میں مقبول بھی ہوتی ہیں ،اور مردود بھی ،ــــــزیر بحث حدیث کے راوی قیس بن ابی حازم میں مردودیت کے اوصاف موجود ہیں (یعنی لہٰذا حدیث مردود ہے)(مصداق کون؟ص۱۲۴)

جواب یہ ہے

(۱)امام حاکم نے **صحیح علی شرط الصحیحین** کہا ہے کہ بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے

(۲)امام ذہبی نے تلخیص میں ان کی موافقت کی ہے کہ واقعی یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے ،

دوم :بیچارہ قیس بن ابی حازم اس حدیث کا اکیلا راوی نہیں ہے ، بلکہ امام قیس رحمہ اللہ کے ساتھ امام عامر بن شراحیل شعبی رحمہ اللہ بھی راوی ہیں،

پھر قاضی صاحب کی قیس پر جرح مردود ہے قیس میں مردودیت کے اوصاف موجود نہیں ہیں،اس پر ہم بھی پہلے بحث کر آئے ہیں،

مزید قاضی صاحب نے یہ ذکر کیا کہ

(۲)امام حاکم نے روایت کی ہے اور حاکم شیعہ ہیں اور حدیث میں متساہل ہیں(خلاصہ ،مصداق کون

ص۱۲۴،۱۲۵)

جواب: امام حاکم کی شیعیت کی گفتگو ہو چکی ہے، یا بالکل شیعہ نہیں ہیں، یا شیعہ ہیں تو ایسے جن کی شیعیت کا روایت پر ذرا بھی اثر نہیں پڑتا (میزان الاعتدال، لسان المیزان، تہذیب التہذیب، ترجمہ ابان بن تغلب) پھر ان کے تساہل کی بات بالکل مضر نہیں کیوں کہ امام ذہبی نے بھی ان کی تصدیق کر دی کہ واقعی یہ حدیث صحیح علی شرط البخاری و مسلم ہے ،اس کے بعد ان کے تساہل کا تذکرہ بیکار ہے،

(۳) کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ کے فعل پر بدعت کا اطلاق کیا گیا جب کہ صحابہ کرام کے فعل پر بدعت کا اطلاق درست نہیں (ص ۱۲۵)

اول: بیشک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فعل پر بدعت شرعی کا اطلاق نہیں ہوتا ہاں بعض اوقات بدعت لغوی کا اطلاق ہوا ہے، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول **نعمت البدعة هٰذه** میں ہے اور جمعہ کی پہلی اذان کو (جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شروع کرائی) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بدعت کہا (فتح الباری ۴۴/۳)

دوم: یہاں احداث کا ترجمہ بدعت نہ کریں بلکہ نیا کام سے ترجمہ کر لیا جائے ،اور ہر نیا کام گناہ نہیں ہوتا، تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے نیا کام کیا جو نہ کرنا چاہیئے تھا مگر اس پر ان کو گناہ نہیں ہوگا، اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نئے کام تو کرتے تھے،

مزید کہتے ہیں کہ بخاری میں تو ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو وصیت فرمائی کہ مجھے نبی کریم ﷺ و شیخین کے ساتھ دفن نہ کرنا اور ازواج مطہرات کے ساتھ دفن کرنا کہ میں یہ پسند نہیں کرتی کہ مجھے برتری حاصل ہو یا میری تعریف کی جائے ،اس حدیث کے تحت ابن حجر نے لکھا ہے کہ انہوں نے بطور تواضع و کسر نفسی کے فرمایا ہے،

اول: ایک روایت یہ ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کو وصیت کی اور حضور ﷺ کے ساتھ دفن نہ ہونے کے لئے تواضع کا اظہار کیا، دوسری روایت قیس کی ہے قیس بھی تو ام المؤمنین سے روایت کرنے والوں میں شامل ہیں (تہذیب التہذیب) پھر امام شعبی نے تو سنی اور سننے کی صراحت کی ،تو اگر ابن زبیر ان سے براہ راست سننے والے ہیں تو امام شعبی بھی براہ راست سننے والے ہیں، آپ کو دونوں سننے والوں پر اعتبار کیوں نہیں؟

قاضی صاحب کی خیانت:

دوم: یہاں قاضی صاحب نے علامہ ابن حجر کی بات نامکمل ذکر کر کے خیانت کی ہے، آگے کی عبارت قاضی صاحب کا شبہ ختم کرنے والی تھی، مگر قاضی صاحب کو ناپسند تھی اس لئے نقل نہ کی، علامہ ابن حجر فرماتے ہیں

وھٰذا منھا علی سبیل التواضع وھضم النفس بخلاف قولھا لعمر کنت اریدہٗ لنفسی ،فکان اجتھادھا فی ذالک تغیر اولما قالت ذالک لعمر کان قبل ان یقع لھا ماوقع فی قصۃ الجمل فاستحیت بعد ذالک ان تدفن ھناک (فتح الباری ۳/ ۴۸۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا (میری تعریف نہ کی جائے، مجھے برتری حاصل نہ ہو) بطور تواضع وکسر نفسی تھا، اس کے برخلاف جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ (نے جب روضہ مبارکہ میں دفن ہونے کی اجازت چاہی تو ان) کو فرمایا کہ میں خود وہاں دفن ہونا چاہتی تھی (اب آپ کو ترجیح دیتی ہوں، بخاری حدیث ۱۳۹۲، حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ کئی صحابہ ام المؤمنین سے وہاں دفن ہونے کی اجازت مانگتے تھے، فرماتیں میں انکو (اپنے اوپر) ترجیح نہیں دے سکتی، الریاض النضرۃ) تو اس بارے میں ام المؤمنین کے اجتہاد میں تبدیلی ہوتی رہی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب فرمایا تو واقعہ جنگ جمل میں پیش آنے والے حال سے پہلے تھا واقعہ جنگ جمل کے بعد تو وہاں دفن ہونے سے شرم کی،

معلوم ہوا کہ ان کے اجتہاد میں تبدیلی ہوتی رہی پہلے خود وہاں دفن ہونے کا خیال تھا بعد میں یہ خیال چھوڑ دیا،

روضہ مبارکہ میں ایک اور قبر کی گنجائش:

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ امام ابن التین رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں

قال ابن التین قول عائشۃ فی قصۃ عمر کنت اریدہٗ یدل علی انہ لم یبق مایسع الا موضع قبر واحد فھو یغایر قولھا عند وفاتھا لاتدفنی عندھم فانہ یشعر بانہ بقی من البیت موضع للدفن ،والجمع بینھما انھا کانت اولاً لاتظن انہ لایسع الاقبراً واحداً فلما دفن ظھر لھا انہ ھناک وسعاً لقبر آخر (فتح الباری ۳/ ۴۸۸)

امام ابن التین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمان ''میں خود وہاں دفن ہونا چاہتی تھی'' دلالت کرتا ہے کہ وہاں صرف ایک قبر کی جگہ باقی رہی تھی، اور یہ فرمان وفات کے وقت کے اِس فرمان کے خلاف ہے کہ ''مجھے اِن حضرات کے ساتھ دفن نہ کرو'' یہ بتاتا ہے کہ کمرے میں دفن کی جگہ باقی تھی، دونوں میں تطبیق اس طرح

ہے کہ پہلے ان کا یہ گمان تھا کہ صرف ایک قبر کی گنجائش ہوگی ، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دفن ہوئے تو ان کے سامنے ظاہر ہوا کہ وہاں ایک اور قبر کی گنجائش بھی ہے،

یہاں ذہن میں رہے کہ علامہ ابن التین رحمہ اللہ دراصل بخاری کی دو حدیثوں میں تطبیق دے رہے ہیں ایک ام المؤمنین کا فرمان ہے **کنتُ اریدہٗ** (میں خود روضہ مبارکہ میں دفن ہونا چاہتی تھی، بخاری ۱۳۹۲) یہ ظاہر کرتا ہے کہ صرف ایک قبر کی گنجائش تھی جس کی انہوں نے اپنے لئے خواہش کی تھی مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے دفن کی اجازت دی تو گویا اب اور جگہ (سوائے عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کے) باقی نہیں، دوسرا ان کا فرمان ہے **لاتدفنی معھم وادفنی مع صواحبی** (مجھے حضور ﷺ و شیخین کے ساتھ دفن نہ کرنا بخاری ۱۳۹۱) جو ظاہر کرتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دفن کے بعد قبر کی جگہ باقی تھی اور ام المؤمنین دفن ہوسکتی تھیں، مگر فرمادیا کہ مجھے اِن حضرات کے ساتھ دفن نہ کرنا، تو دونوں میں تعارض کو امام ابن التین نے ختم کرنا چاہا کہ حل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دفن سے پہلے ام المؤمنین سمجھتی تھیں کہ صرف ایک قبر کی گنجائش ہے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دفن کے بعد مزید ایک اور قبر کی گنجائش معلوم ہوئی تب فرمایا دیا کہ مجھے اُس باقی جگہ میں دفن نہ کرنا،

امام ابن التین کی پوزیشن شیخ چلی جیسی ہے: قاضی جی کا تبصرہ:

نامعلوم قاضی جی کو اس تطبیق سے کیا خار آئی کہ کہتے ہیں

(ابن التین نے جو تطبیق کی ہے)اس کی علمی دنیا میں تو کوئی حیثیت نہیں ہے البتہ شیخ چلی کی دنیا میں اس قسم کی تطبیق کی خوب آؤ بھگت ہوتی ہے (علمی محاکمہ ص ۵۸۹)

حالاں کہ امام ابن التین اکیلے نہیں ہیں بلکہ علامہ خطیب قسطلانی نے بھی شرح بخاری میں یہی تطبیق ذکر کی، پھر ابن التین بیچارے نے جنگ جمل کی بحث ہی نہیں کی ،تو قاضی جی کے نزدیک ان کی حیثیت گویا شیخ چلی جتنی کیوں ہے **لاحول ولاقوۃ الاباللہ** ؟ ،دراصل امام ابن التین کی بات سے خود بخود واضح ہوتا تھا کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا چاہتیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دفن کے بعد بھی دفن ہوسکتی تھیں، مگر اظہار عاجزی کرتے ہوئے (یا حیاء کرتے ہوئے)اپنے دفن کئے جانے سے روک دیا، اس میں امام ابن التین بیچارے کا قصور کیا ہے؟ کیا قاضی جی کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں؟ یا اُن کے مقابلہ میں قاضی جی کی بڑی حیثیت ہے؟ آپ مطالعہ کے زور میں اتنے گھمنڈ میں آگئے کہ اب ابن التین آپ کی زبانی شیخ چلی ٹھہرا افسوس؟ پھر جب خود قاضی صاحب نے امام ابن التین کی

ایک توجیہ ذکر کردی کہ انہوں نے وہاں دفن نہ کئے جانے کی وصیت اس لئے کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اجنبی تھے تو وہاں دفن ہونا مناسب نہیں سمجھا، اب اس توجیہ کو سامنے رکھنے کے بعد قاضی جی کے دل میں ابن التین کا احترام ہونا چاہیئے تھا مگر جناب کا یہ تبصرہ ان کے احترام کے خلاف ہے، اسلاف کی بے احترامی کا نتیجہ سخت نقصان ہے، قاضی جی کو یہ بے ادبیاں چھوڑ دینی چاہئیں،

قاضی جی کی ایک اور خیانت:

یہاں امام ابن التین کی دوسری توجیہ میں (لامع الدراری سے نقل کرتے ہوئے) قاضی صاحب نے لکھا کہ "علامہ ابن التین نے یہ روایت بھی بیان فرمائی کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے ان کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت طلب کی ،تو آپ ﷺ نے یہ کہہ کر منع فرمادیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے ، یہاں تو میری، ابوبکر، عمر اور عیسی بن مریم علیہ السلام کی قبروں کے علاوہ کسی اور کی قبر کی گنجائش ہی نہیں (علمی محاکمہ ص۵۹۲)

حالاں کہ حضرت علامہ گنگوہی رحمہ اللہ نے ابن التین سے نقل کرتے ہوئے یہ لفظ بھی تحریر کئے ہیں

فی حدیث لایثبت (علمی محاکمہ ص۵۹۱، **الکنز المتواری ۷/۳۲۰**)

روایت ثابت نہیں ہے،

اس کو قاضی جی نے ہضم کردیا اور ترجمہ تک چھوڑ دیا، اور کہہ دیا کہ جی اس ممانعت کے بعد وہاں دفن ہونے کا ارادہ ہی کیونکر کرسکتی تھیں؟ جناب جب یہ حدیث ہی ثابت نہیں تو آپ کی اس عقلی تقریر میں کتنا وزن ہے؟

امام ابن التین سے ایک اور توجیہ وتطبیق میں نقل ہے کہ فرماتے ہیں

اوان الـذی آثرته به المکان الذی دفن فیه من وراء قبر ابیهابقرب النبی ﷺ وذالک لاینفی وجودمکان آخرفی الحجرة (وفاء الوفاء ۲/۱۲۱)

یا یہ تطبیق ہے کہ جس جگہ ان کو ترجیح دی وہ جگہ ہے جس میں وہ دفن ہوئے جواُن کے والد کی قبر کے پیچھے نبی کریم ﷺ (کی قبر) کے قریب ہے، اور یہ بات حجرہ میں مزید جگہ باقی ہونے کی نفی نہیں کرتی،

یعنی بہرحال اُن کی قبر کی گنجائش بھی تھی مگر انہوں نے وہاں دفن نہ کئے جانے کی وصیت فرمائی،

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے متعلق متعدد کتابوں میں ہے کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حجرہ مبارکہ میں دفن ہونے کی اجازت مانگی تھی اور انہوں نے اجازت بھی دی تھی ،مگر دفن نہ ہوسکے

(الاستیعاب ۱۔۱۹۲، ۱۹۳، اسد الغابۃ ۲/ ۱۳، تاریخ الخمیس ۲/ ۲۹۳، الکامل لابن اثیر ۳/ ۵۸، جس کو بغیر ثبوت کے قاضی جی من گھڑت کہتے ہیں، علمی محاکمہ ص ۵۹۵) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو وفات کے وقت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے پیغام بھیجا تھا کہ آپ رسول اللہ ﷺ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے ساتھ دفن ہونا چاہیں تو تشریف لائیں، فرمایا میں آپ کا گھر آپ پر تنگ نہیں کرتا (وفاء الوفاء ۲/ ۱۲۱، الریاض النضرۃ ۴/ ۳۱۴، ۳۱۵، شفاء الغرام باخبار البلد الحرام ۲/ ۴۶۷ محمد بن احمد تقی الدین فاسی م ۸۳۲ھ) یہ واقعات بھی ظاہر کرتے ہیں کہ مزید ایک قبر کی گنجائش تھی، مگر حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے غلبہ خشیت وحیاء کی وجہ سے وہاں دفن نہ کئے جانے کی وصیت فرمائی، اس کو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی ندامت پر محمول کیا گیا ہے،

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نصب الرایہ (۴/ ۶۹، ۷۰) سے نقل کرتے ہیں کہ امام زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

وقد اظهرت عائشة الندم كما اخرجه ابن عبدالبر في كتاب الاستيعاب عن ابن ابي عتيق وهو عبدالله بن محمد بن عبدالرحمن بن ابي بكر الصديق قال قالت عائشة لابن عمر يا اباعبدالرحمن مامنعك ان تنهاني عن مسيري ؟قال رئيت رجلاً غلب عليك يعني ابن الزبير [وظننت انك لاتخالفينه يعني ابن الزبير] فقالت اما والله لو نهيتني ماخرجتُ ،ولهٰذا الاثر طريق اخرىٰ فقال الذهبي في سير النبلاء (۷۸، ۷۹) وروى اسماعيل بن علية عن ابي سفيان بن العلاء المازني عن ابن ابي عتيق قال قالت عائشة اذامر ابن عمر فارنيه فلمامربها قيل لهاهذا ابن عمر، فقالت يااباعبدالرحمن مامنعك ان تنهاني عن مسيري ؟قال رئيتُ رجلاً قد غلب عليك يعني ابن الزبير (سلسلة الاحاديث الصحيحة ۱/ ۸۸۴، ۸۸۵، الاستيعاب ۲/ ۱۴۸ ترجمه عبدالله بن زبير تاريخ دمشق لابن عساكر ۳۱/ ۱۱۰)

ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے ندامت کا اظہار کیا تھا جیسا کہ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے استیعاب میں ابن ابی عتیق سے روایت کیا ہے کہ ام المؤمنین نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا ابوعبدالرحمٰن؟ آپ نے مجھے (جنگ جمل میں) جانے سے کیوں نہ روکا تھا؟ فرمایا میں نے دیکھا کہ آپ پر ایک آدمی یعنی عبداللہ بن زبیر غالب آ گیا اور میرا خیال تھا کہ آپ اس کے خلاف نہ کریں گی، فرمایا اللہ کی قسم اگر آپ مجھے روکتے تو میں نہ نکلتی، اس روایت کی دوسری سند بھی ہے، جو امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں (اور تاریخ ابن عساکر میں) ذکر کیا ہے،

اس روایت سے بھی ان کا نادم ہونا ثابت ہوتا ہے، اور اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ مدینہ طیبہ سے نکلنے کے لئے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے سے مغلوب ہوئی ہوں یا نہ، مگر حوأب مقام سے ان کی رائے بدل گئی تھی، اور واپسی کرنا چاہتی تھیں مگر حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی رائے کی وجہ سے واپس نہیں ہوسکیں، ان کی رائے تھی کہ آگے چلنے میں مصلحت ہے، گو اس رائے میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی خطاء ہوئی اگر چہ نیت درست تھی،

محمد بن قیس سے ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے جنگ جمل کا تذکرہ ہوا تو اس کو یوم الجمل کہا گیا تو پوچھا کہ لوگ اس کو یوم الجمل کہتے ہیں؟ حاضرین نے بتایا جی ہاں، فرمایا

وددت انی کنت جلستُ کماجلس اصحابی فکان احب الی من ان اکون ولدت من رسول اللہ ﷺ بضعة عشر رجلاً کلھم مثل عبدالرحمن بن الحارث بن ھشام اومثل عبداللہ بن الزبیر (تاریخ دمشق ۳۴/۲۷۴)

میری تمنا ہے کہ (کاش) میں بیٹھی رہتی جیسے میرے ساتھ والے (اہل بیت) بیٹھے رہے یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میرے رسول اللہ ﷺ سے دس سے اوپر بچے پیدا ہوتے جو سب کے سب عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام یا عبداللہ بن زبیر جیسے ہوتے،

ایک روایت میں ہے کہ فرماتی تھیں

لان اکون قعدت فی منزلی عن مسیری الی البصرة احب الی من ان یکون لی من رسول اللہ ﷺ عشرة من الولد کلھم مثل عبدالرحمن بن الحارث بن ھشام (طبقات ابن سعدالکبریٰ ۵/۳، سیر اعلام النبلاء ۳/۴۸۴، تاریخ اللطیفة للسخاوی ۲/۱۲۱)

میں بصرہ جانے کے بجائے اپنے گھر میں بیٹھی رہتی یہ مجھے اس سے بھی زیادہ پسند ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے میرے دس بیٹے ہوتے جو سب کے سب عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام جیسے ہوتے ،

اس قسم کی روایات اُن کی ندامت کی دلیل ہیں، گو ندامت کی وجہ کچھ بھی ہو چاہے یہ مانی جائے کہ انہوں نے اپنی خطاء سمجھ لی، یا جانے کے نتیجہ میں جو نامناسب حالات پیش آئے ان کی وجہ سے ندامت ہو، اتنی بات ہے کہ انجام سے ظاہر ہوا کہ گو اچھی نیت سے سفر تھا مگر مصلحت سفر کرنے میں نہ تھی ، بلکہ مصلحت گھر کے اندر رہنے میں تھی، مگر چوں کہ

انجام ظاہر ہونے سے پہلے تک سوائے اللہ تعالی کے کسی کو انجام معلوم نہیں ہوتا اس لئے انسان معذور ٹھہرتا ہے، اس لئے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اس سفر کرنے میں معذور تھیں، یہ ایسی خطاء نہیں ہے جس کی وجہ سے اُن پر طعن کیا جائے جیسا کہ روافض کی عادت سیئہ ہے، یہ واقعی ایسے ہے جیسے حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا کا سفر کیا، نیت اچھی تھی، مگر انجام کے اعتبار سے امت کا نقصان ہوا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تو شہادت کا عظیم درجہ ملا جوان کے حق میں نقصان نہیں نفع ہے،

بہر حال حدیث کلاب حوأب صحیح حدیث ہے، اور اس کا مصداق ام المؤمنین سیدتنا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں، حضور ﷺ کے اس کے متعلق پیشین گوئی سے مقصود آئندہ ایسا واقعہ پیش آنے کی خبر دینا تھا، اور وہ ہو کر رہا، قاضی طاہر علی صاحب بیشک اس کے متعلق ہونے والے طعن کا اچھے ایمانی جذبہ کے تحت جواب دیں، اچھی توجیہات کریں، مگر ایک ثابت بات کو جھٹلانا بالکل نامناسب ہے۔

☆☆☆

کتبہ: حضرت مولانا مجیب الرحمٰن صاحب مہتمم مدرسہ دارالعلوم الاسلامیہ ماہڑہ تحصیل پروآ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

وٹسپ رابطہ: محمد عمر فاروق ڈیروی:

مدرس دارالعلوم الاسلامیہ ماہڑہ تحصیل پروآ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان: 0342-6624427

نوٹ: فی الحال اس مضمون پر کام جاری ہے جو ساتھی بھی اسکو پڑھیں اور اگر اس میں کوئی غلطی پائیں تو ہمیں ضرور اطلاع کریں۔ جزاکم اللہ

ہماری کتب

﴿1﴾راہ حق

﴿2﴾راہ جنت

﴿3﴾عقیدہ ایصال ثواب

﴿4﴾عقیدہ حیات النبی ﷺ اور صراط مستقیم

﴿5﴾تسہیل بیضاوی اردو شرح بیضاوی

﴿6﴾علم الصیغہ اردو

﴿7﴾دعا بعد نماز جنازہ کا شرعی حکم

﴿8﴾پیارے نبی ﷺ کی پیاری سنتیں

نوٹ: دیگر کتب پر کام جاری ہے آپ سب حضرات سے دعا کی درخواست ہے

ہمارے دیگر مضامین

﴿1﴾حدیث اصحابی کالنجوم کی تحقیق:

﴿2﴾مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم:

﴿3﴾سورۃ الفیل اور امین احسن اصلاحی و غامدی کی تفسیر:

﴿4﴾غامدی اجتہادات:

﴿5﴾غامدی نظریات اور حکم:

﴿6﴾مروان بن حکم اور اس کی صحابیت:

﴿7﴾اللہ کیلئے لفظ خدا کا اطلاق:

نوٹ: دیگر مضامین پر کام جاری ہے آپ سب حضرات سے دعا کی درخواست ہے۔